المامون

مُصنّف

علامہ شبلی نعمانی

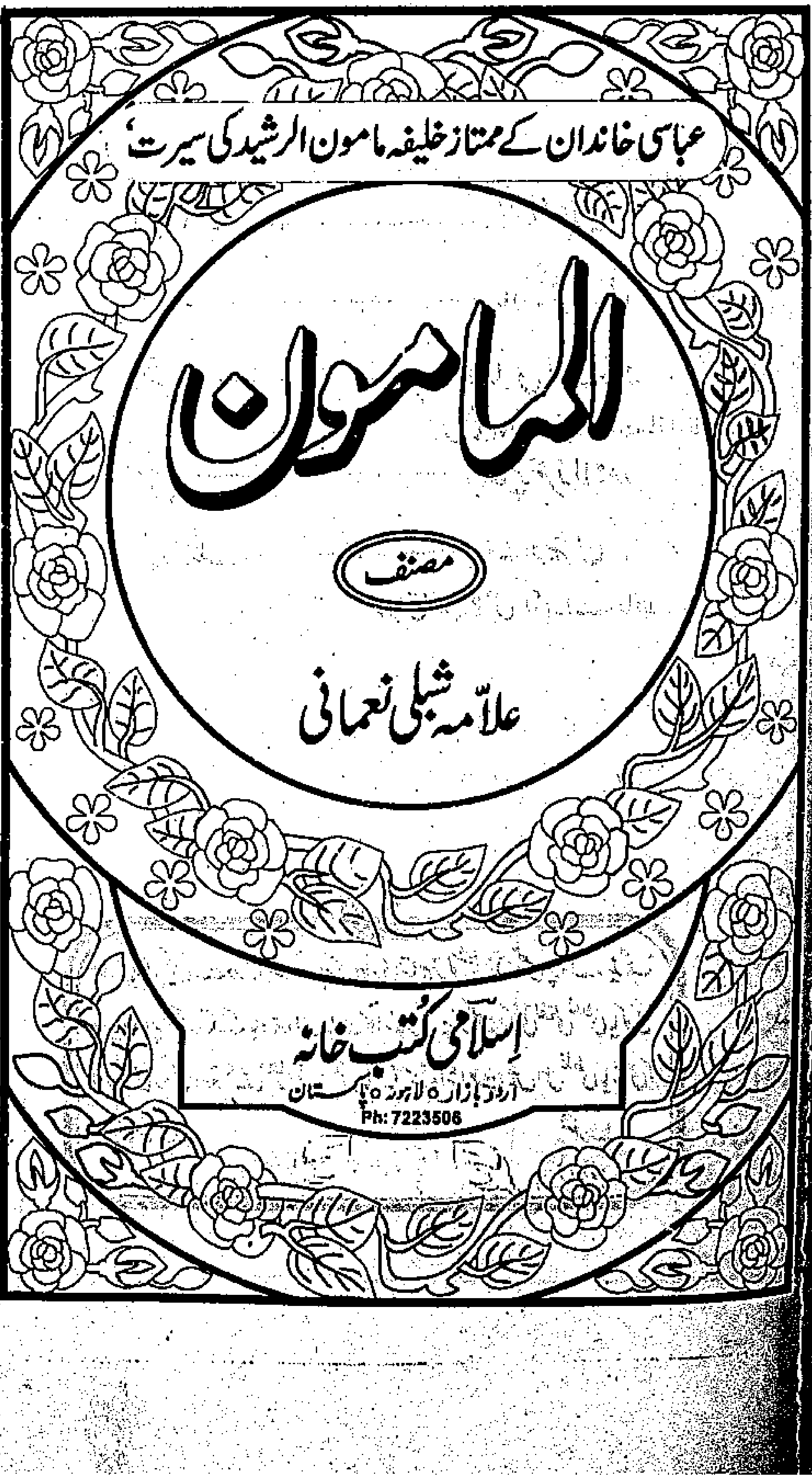

عباسی خاندان کے ممتاز خلیفہ مامون الرشید کی سیرت

المامون

مصنف

علامہ شبلی نعمانی

اسلامی کُتب خانہ
اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان
Ph: 7223506

نام کتاب .... **المامون**

مصنف .... **علامہ شبلی نعمانی**

ناشر .... **اسلامی کتب خانہ**
فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار، لاہور۔

مطبع .... رضا پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ .... پرنٹ ویژن

سرورق، سب ٹائٹل ایم۔ اے۔ حافظ

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔

شکریہ!

(ادارہ)

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
رائل ہیروز آف اسلام یعنی نامور فرمانروایان اسلام "المامون"	5
بسم اللہ الرحمن الرحیم	6
خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی اُمیہ ابو مسلم خراسانی	14
شجرۃ النسب۔ شجرۃ الخلافہ	21
مامون کی ولادت، تعلیم وتربیت	23
مامون کی ولیعہدی	31
دستاویز جو امین نے لکھی	35
مامون کی بھی ایک ایسی دستاویز	41
مامون وامین کی مخالفت	45
مامون پر فوج کشی	47
اہواز بصرہ، بحرین، عمان وغیرہ	51
بغداد کا محاصرہ	54
امین کا قتل	59
مامون کی خلافت	70
ابن طباطبا کا خروج 199ھ	71
ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۰ھ	75
حضرت علی رضا کی ولیعہدی ۲ رمضان ۲۰۱ھ	78
ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی المحرم ۲۰۲ھ	80
مامون کی عراق روانگی، ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ	83
حضرت علی رضا کی وفات آخر صفر ۲۰۳ھ	87
ابراہیم کی معزولی	89
مامون کا بغداد میں داخلہ صفر ۲۰۴ھ	92
طاہر کا خراسان پر تقرر ۲۳۵ھ	93
عبد الرحمان بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ	95
طاہر کی وفات جمادی الثانی ۲۰۷ھ	96
افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت ۲۰۸ھ	98

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
نصر بن شیث کا گرفتار ہونا ۲۰۹ھ	102	ملک کی آبادی میں امن وامان	154
ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری ۲۱۰ھ	103	مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع، عدل وانصاف، غیر قوموں کا حقوق	154
مصر اور اسکندریہ کی بغاوتیں ۲۱۰ھ	110	اقلیتوں کے حقوق	154
زریق کی بغاوت اور سید بن انس کا قتل ۲۱۱ھ	111	علمی ذوق اور علوم وفنون کی اشاعت	165
بابک خرمی کی بغاوت	112	دربار مامون کے عالم، مترجم اور منجم	165
فتوحات ملکی	114	فارسی کی شاعری کی ابتداء	182
جزیرہ صقلیہ (سسلی) کی فتح ۲۱۲ھ	118	مامون کا فضل وکمال اہل علم کی قدردانی بطور بلند رتبہ شاعر	182
مامون کا حلیہ	131	مامون کی ہمہ دانی	
مامون کی اولاد ذکور و خاتمہ	131	دلآویز اقوال اور مناظرہ	
دوسرا حصہ	132	دربار مامون میں جھوٹا نبی	
تمہید	132	اخلاق، شاہانہ شوکت اور عیش وطرب	199
بغداد	134	مامون کا مذہب	217
وسعت سلطنت اور نظام حکومت	141	معاصر سلطنتیں	224
خراج	147	اراکین دربار اور ملکی عہدے	226
جزیہ		عہد مامون کے اہل کمال	241

رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامور فرماں روایان اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تمہید۔ خلافت مامون الرشید کی ولادت۔ تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ نیز ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔

مُرتبہ شبلی نعمانی

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی قومی خاصیتیں گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف ان کو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ ناکام آور رہے ہیں آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف ان کو وہ جوش التفات ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں ان میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ انسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئی تھیں اور قصہ طلب حوالے اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہماری لٹریچر کا ہر جملہ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے۔ اس کے خزانے میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے۔

ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اس کی فتوحات کہاں کہاں

پہنچیں۔ کس کس کو اس نے تاج و تخت دیا۔ کتنی سلطنتیں قائم کیں۔ کبھی بنو امیہ کو عروج ہوا۔ کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج ولیم نے تاجِ حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوق کا علم اقبال بلند ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفتر الٹ دیے۔ کبھی ملٹمین اٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف نسل سے تھے لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہہ کر پکارا اور انہیں کے رزم و بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے۔ جس کو اردو زبان میں ہم ڈھونڈنا چاہیں تو کہاں ڈھونڈیں۔

اردو زبان کی یہ کم مائیگی کچھ محل تعجب بھی نہیں۔ اردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قرب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہنچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا اور اس وجہ سے تاریخی ذخیرہ بھی گویا خاص اسی کے قبضۂ اختیار میں تھا۔ اس کی طرف مطلقاً متلفت نہ ہوا۔ تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علماء اس زبان میں خط و کتابت کرنا بھی عار سمجھا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑھی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً سادہ مزاج گروہ اس کی رفتار ترقی کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔ چونکا تو اس وقت جب وہ (اردو) ملک کی انشاپردازی اور عام تصنیفات پر پوری اقتدزار کے ساتھ قابض ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ ان میں بہت سے اب تک وہی صحرائے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنہوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اردو کا حق سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلیٰ رتبہ تک پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشاپردازی کا ایک

عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آ رہی ہیں لیکن چونکہ زمانہ کی پُر پیچ ضرورتوں نے اس نئے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی پر دسترس پا سکے۔ اس لئے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اسکی آنکھوں سے پیچھے رہ گئے مجبوراً پر زور اور ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھیں تذکروں اور ناولوں پر جھکیں۔ جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم آگے بڑھا۔ لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے کہ زبان عربی اور فارسی کو ہٹا کر ہماری علمی اور قومی زبان بنی وہ اسی خاصہ سے محروم رہ گئی جو قائم مقامی کی حیثیت سے اس کا ذاتی حق تھا۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی جوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم، قوم نہیں۔

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصاء کر سکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی مجھ کو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیرو آف اسلام (یعنی نامور فرمانروانِ اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آج تک خلافت وسلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے ان میں سے صرف وہ نامور انتخاب کر لئے جائیں جو اپنے طبقہ میں عظمتِ حکومت کے اعتبار سے اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے اور ان کے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لئے انتخاب کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنی وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے۔
خلفائے راشدین	حضرت عمرؓ خلیفہ دوم
بنو امیہ	ولید بن عبدالملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنو امیہ اندلس	عبدالرحمٰن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نورالدین محمود زنگی
ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
ترکان روم	سلیمان اعظم

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ مغلیہ تیموریہ) تو اس وقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ شانِ حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے ان کو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے معزز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کی جائے۔

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام المامون ہے۔ اس بات کا مجھ کو بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں ترتیب کی

پابندی نہ کر سکا اور خلفائے راشدین و بنو امیہ کو چھوڑ کر پہلے اس خاندان کو لیا جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا۔ آئندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکوں لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی تو اس سلسلے کے کل حصے جس طرح ہو سکے گا پورے کروں گا۔

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جس قدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں اعلانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پر پہنچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اس کے اصول و فروغ پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں اس کے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے کافی نہیں۔

تاریخ کبیر جعفر جریر طبری[1]۔ مروج الذہب مسعودی[2]۔ کامل بن الاثیر جزری ابن خلدون۔ ابو الفداء۔ دون الاسلام ذہبی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ عیون الحدائق اخبار الدول قرمانی۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی۔ فتوح البلدان بلاذری[3]۔ معارف بن قتیبہ۔ اعلام الاعلام۔ النجوم الزاہرۃ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں جو اسلامی

---

[1] یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے۔ ابن اثیر و ابن خلدون و ابو الفداء کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ سترہ جلدوں میں بمقام ہالینڈ اہتمام سے چھاپی گئی ہے اور ہنوز ناتمام ہے۔ ۱۲

[2] تاریخ کامل مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے۔ ۱۲

[3] بلاذری نہایت قدیم مورخ ہے خلیفہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۲۴۷ھ کے عہد میں موجود تھا۔ اس کی تاریخ جرمن میں چھپی ہے۔ ۱۲

تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں۔ اور دولت عباسیہ یا خاص مامون الرشید کے حالات سے آگاہی کا ذریعہ ان سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن تمام تاریخوں کو پڑھ کر اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ فلاں عہد میں تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے۔ خراجِ ملک کیا تھا۔ فوجی قوت کس قدر تھی۔ ملکی عہدے کیا تھے تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہو گا۔ خود فرمانروائے وقت کے طور وطریقے اور عام اخلاق و عادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اس کی اخلاقی تصویر آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر جائے۔ جن واقعات کو بہت بڑھا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اس کی نظر کر دیے ہیں۔ وہ صرف تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی۔ اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل و نصب کے حالات ہیں۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دیے ہیں۔ نہ ان کے اسباب و علل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے نہ ان سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں۔ ان کے متعلق جس تاریخ کو اٹھا لو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا اور ان کے نشو و نما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اٹھیں کب شروع ہو چکی تھی تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دیں گے اور تم کو تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے۔ انہی ریشہ

دوانیوں کا پتہ لگانا اور ان سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے۔ اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں ان لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آئندہ نسلیں ہمیشہ اس کی ممنون رہیں گی لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی آج بھی قائم رہے گی؟

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں۔ ان کے متعلق جس تاریخ کو اٹھالو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا اور ان کے نشو ونما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اٹھیں کب شروع ہو چکی تھی تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دیں گے اور تم کو تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے۔ انہی ریشہ

دوانیوں کا پتہ لگانا اور ان سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے۔ اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں ان لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آئندہ نسلیں ہمیشہ اس کی ممنون رہیں گی لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی آج بھی قائم رہے گی؟

اس کے علاوہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے جن باتوں کو قدما نے اس خیال سے نظر انداز کر دیا کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں۔ آج انہیں کی تلاش ہے کہ اس عہد کی عام معاشرت اور طرز زندگی کا ان سے اندازہ کیا جائے۔

اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کیے۔ پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں یعنی مامون کی ولادت و ولی عہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ بغاوتیں۔ فتوحات۔ ملکی۔ وفات۔

دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے مامون کے پولیٹکل انتظامات اور سوشل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش و جستجو میں میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات۔ مقامی جغرافیے۔ سفر نامے۔ نقشجات غرض جہاں سے جو بات ملی اخذ کی تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی وجوہات کچھ لکھی جائے۔ نہایت صحیح اور مستند تاریخی رایتوں سے لکھی جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہاں سے شروع ہوا ہے اس کی تمہید بھی ملاحظہ فرمائیں)

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں۔

عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو امیہ کے زوال کا زمانہ قریباً ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور ان مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب

سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا لیکن تاریخی اصول کے مطالعہ سے کسی طرح خیال میں نہیں آ سکتا کہ ایسی پُرزور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے دفعتاً زیروزبر ہو جائے۔

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے میں ہمیشہ پیغمبر صلعم کا قرب زیادہ موثرنہیں سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے بنوامیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے۔ ان باتوں کے سمجھانے کے لئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقدے خودبخود حل ہو جاویں جو ان خلافتوں کی پولیٹکل حیثیتوں کے متعلق۔ تاریخی فلسفہ کے راز ہیں۔

خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی ہاشم و بنی اُمیہ کی حریفانہ طاقتیں، بنوامیہ کی سلطنت، ہاشمیونکی کوششیں دولتِ عباسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا لیکن قریش کے بھی دو برابر حصے ہو گئے تھے۔ ہاشم و امیہ اور جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تشریح کر دی ہے۔ جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنوامیہ کا پلہ بنوہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے وجود مبارک سے بنوہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو [illegible]

گو پوری طور پر صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہو گیا لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رکے رہے اور ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سرے سے پیش ہوتے لیکن حضرت عمرؓ کی باضابطہ ولی عہدی نے اس کا موقع نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علیؓ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباسؓ نے انکو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بخت و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن جناب امیرؓ کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؓ نے "صبر جمیل" کہا ارتن بہ تقدیر راضی ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ خاندان بنو امیہ سے تھے اور ان کی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اس لئے ان کے عہد تک بنو امیہ و ہاشم یہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ امیر معاویہ پہلے بھی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں ان کا اقتدار اس حد تک پہنچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت قریباً بارہ برس

رہی اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندان رعایت پر لوگ ان سے ناراض ہو گئے اور ان کی شہادت تک نوبت پہنچی لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں امیر معاویہؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں ان کو حضرت علیؓ سے کچھ نسبت نہ تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی۔ دو طاقتیں حریف مقابل بن کر قائم ہوئیں اور ان کی باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسنؓ نے گو مصلحتاً خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا اور بظاہر امیر معاویہ کی حکومت بے داغ رہ گئی لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعانِ علیؓ نے حضرت امام حسینؓ کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے علاقائی بھائی محمد بن حنیفہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں اور ایک مدت کے لئے یہ توقع کی جاتی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنیفہ کا گروہ شاید اپنے مخفی راز سے پردہ اٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہو گئے اور اپنی مشہور شجاعت اور اولوالعزمی سے حجاز اور اطراف عرب میں مستقل حکومت قائم کر لی۔ اس زمانہ میں بنوامیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمانؓ کا چچا زاد

بھائی تھا اور ان کا میر منشی رہ چکا تھا۔ ۶۴ھ میں شام و مصر پر قبضہ کر لیا اور وہ گو خود کچھ بہت کامیاب نہ ہوا لیکن اس کے بیٹے عبدالملک نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی امیہ کے مہیب لقب سے مشہور ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ مکہ معظمہ میں قلعہ بند ہو کر شہید ہوئے اور تمام دنیائے اسلام باستثنا عبدالملکؒ کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ یہ حکومت جس کو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزوں ہے قریباً ۶۸ برس تک قائم رہی اور اسی قلیل مدت میں دس شخص تخت نشین ہوئے۔ اس عظیم خاندان میں عبدالملک ولید و سلیمان و ہشام نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گزرے ہیں صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جاوے تو دولت عباسیہ اپنی چھ سو برس کی زندگی میں اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ سندھ کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اس میں داخل تھا۔ باینہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پُر زور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا اور جب اس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ اس وقت تک بظاہر ایک گمنامی صرف سادات اور علویین میں سے عبداللہ جو محمد بن خفیفہ کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے پوتے تھے اپنے پیروؤں کی ایک کثیر تعداد رکھتے تھے اور خراسان و ایران میں جا بجا ان کے خفیہ نقیب مقرر تھے ۱۰۰ھ میں ان کو زہر دیا گیا اور چونکہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ

سادات میں اس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا اس لئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس (رسول اللہ صلعم کے عم بزرگوار) کے پڑپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے۔ اسی طرح علویین کی مجسمہ قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہوگئی گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقباء تمام عراق وخراسان میں پھیل گئے اور ۱۰۲ھ و ۱۰۷ و ۱۰۹ھ میں ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی امیہ پر یہ سازش کھل گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ اس اثناء میں کبھی کبھی مثلاً ۱۲۱ ہجری میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زین نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں مگر عباسیوں نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ان کے حریف بنی امیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہنچے۔ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہوگیا اور ان کے بیٹے ابراہیم امام باپ کے جانشین ہوئے۔ ۱۲۷ھ میں ابراہیم کو ابو مسلم خراسانی ایک عجیب وغریب شخص ہاتھ آیا جس نے اپنے تدبر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک پہنچا دیا۔ اور بانی دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اپنی طرف سے سینکڑوں نقیب مقرر ہوگئے اور تمام اطراف میں بھیجے۔ طرفداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس یا ایک سیاہ دھجی بطور نشان کے مقرر کی۔ ان نقیبوں نے خراسان فارس کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال بچھا دیئے اور ایک خاص دن ٹھہر گیا کہ اس تاریخ کو ہوا خواہاں آل عباس جہاں جہاں ہوں دفعتاً اٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان

کی ۲۵ تاریخ ۱۲۹ھ شب پنج شنبہ سفید نج ایک گاؤں میں جو ہرات کے نواح میں ہے ابومسلم نے خلافت عباسیہ کی عام منادی کر دی اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جن کا نام ظل و سحاب تھا سیاہ پھریرے آویزاں کیے ہر طرف سے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور ظل سحاب کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ ابومسلم نہایت کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا خراسان کی طرف بڑھا اور عمال بنی امیہ کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس زمانہ میں بنو امیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار تخت نشین حکومت تھا۔ خراسان کے گورنر نے اس کو نامہ لکھا کہ ''آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا ار ابومسلم خراسانی جوان کا نقیب ہے۔ خراسان کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرتا جاتا ہے۔ ابراہیم امام اس وقت حمیمہ میں تھے اور ان کی فوجی جمیعت جو کچھ تھی ان سے بہت دور خراسان کی فتوحات میں مصروف تھے۔ مروان نے بلقاء کے عامل کو لکھا کہ ابراہیم کو پابہ زنجیر کر کے دارالخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھ کچھ جمیعت نہ تھی بغیر کسی وقت کے گرفتار ہوئے۔ چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں اور ابوالعباس سفاح کو (جو ان کے حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں۔

سفاح نے کوفہ پہنچ کر جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا اور بڑے تزک و احتشام سے مسجد جامع میں جا کر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ ادھر ابومسلم نے سمرقند۔ طخارستان۔ طوس۔ نیشاپور۔ رے جرجان۔ ہمدان۔ نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے علم اقبال کے سایہ میں آگئے۔ شہرزور پر خود مروان کے بیٹے

عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور ابوعون نے جو ابومسلم کا ایک فوجی افسر تھا عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سن کر مروان ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنوامیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابوعون کے مقابلہ کو بڑھا۔ روسیر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابوعون کی مدد کو بھیجا۔ مروان نے شکست کھائی اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز بھاگتا پھرا اور آخر ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنوامیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا اور قتل کر دیے جاتے تھے۔ اس پر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا۔ خلفائے بنی امیہ یعنی امیر معاویہؓ یزید عبدالملک ہشام کی قبریں اکھڑوا ڈالیں اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت مل گئی تو آگ میں جلا دی۔ اس ہنگامہ میں بنوامیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نام اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کر لی جس کو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتے اور کچھ نہ کر سکے۔ عباسیوں کی خلافت پانسو چوبیس برس تک قائم رہی اور اس مدت میں ۳۷ تخت نشین گزرے۔ مامون جس کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں اس خاندان کا چھٹا خلیفہ تھا۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہو گی۔

شجرۃ النسب

حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم

عبداللہ مشہور صحابی ہیں۔

علی
التوفی ۱۱۷ھ نہایت
جمیل اور صاحب
وجاہت تھے

محمد التوفی ۱۲۶ھ

سفاح
دولت عباسیہ
کا پہلا خلیفہ ہے
۱۳۲ھ میں تخت
نشین ہوا۔

منصور
۱۳۶ھ میں
تخت نشین ہوا

شجرۃ الخلافہ

سفاح

منصور دوانیقی
سفاح کا بھائی تھا

مہدی بن منصور ۱۵۸ھ
میں تخت نشین ہوا

ہادی بن مہدی ۱۶۹ھ
میں تخت نشین ہوا

ہارون الرشید بن
المہدی ۱۷۰ھ میں
تخت نشین ہوا

مامون الرشید بن
ہارون الرشید

ہارون الرشید

بڑی عظمت وشان کا خلیفہ گزرا۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکرکشی کی اور پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا سریر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا مگر اس نے ہر بار شکست دی۔ قیصر کے پائے تخت ہریکلیا[1] کو برباد کر دیا اور بزور یہ شرط لکھوالی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائے گا۔ شاہان شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا۔ اس کی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے اور آستانۂ خلافت علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا اس کی علمی مجلسیں ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں اسی ہارون کا فرزند رشید ہے۔

---

[1] ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا۔ یونانی خاندان جو اس زمانہ میں قیصر پایہ تخت اس کا پایہ تخت یہی شہر تھا۔ عربی مورخ اس کو ہرقلہ لکھتے ہیں اب ویران ہوکر ایک معمولی شہر رہ گیا ہے۔ ۱۲

مامون کی ولادت اور تعلیم تربیت

ربیع الاول ۱۰۷ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ولادت کی رات بھی عجیب تھی جس میں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون) یتیمن وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی تخت نشین ہو اور اس کے بعد ہارون۔ ہادی نے بدنیتی سے ہارون کو محروم کرنا چاہا اور چونکہ ہارون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خودغرضانہ اردہ میں کامیاب ہو جاتا لیکن موت نے دفعتاً اس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہارون بستر خواب پر سوار سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحییٰ نے جگا کر مژدہ خلافت سنایا۔ ہارون نے نہایت یاس سے کہا۔ ''دیکھو تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سن لیں گے تو یہی ہنسی بلائے جان ہوگی۔'' یحییٰ نے عرض کیا کہ ''قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں۔ اسی گفتگو میں خواص مژدہ لائی کہ مشکورے معلیٰ میں وارث تخت و تاج پیدا ہوا۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں مامون الرشید اعظم ہونا لکھا تھا۔ ہارون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبداللہ نام رکھا کیونکہ بانی عباسیہ یعنی سفاح کا بھی یہی نام تھا۔

مامون الرشید کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا۔ اور باد غیس (دہرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسیٰ گورنر

خراسان نے اس کو ہارون کی خدمت میں پیش کش بھیجا تھا۔ افسوس ہے کہ مراجل دو ہی چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا۔

مامون پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنی کسائی نحوی اور یزیدی۔ دربار میں پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کا سن ہی کیا تھا۔ مگر طباعی اور فطانت کے جواہر ابھی سے چمک رہے تھے۔ کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فوراً کسائی کی نگاہ اٹھ جاتی اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا۔ ایک دن سورۂ صف کا سبق کا تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا۔ جب مامون اس آیت پر پہنچا یَـآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں تو بے اختیار کسائی کی نظر اٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں غلطی کی مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمایئے۔ ہارون نے کہا۔ "ہاں اس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر

---

[1] دیکھو عیون والحدائق مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۴۴۔ ([illegible])

ہونے کی درخواست کی تھی جس کو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اس وقت ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خاص اس آیت پر کسائی کا دفعتہً چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہارون اپنے کمسن بیٹے کی اس فطانت سے نہایت متعجب اور خوش ہوا۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا اور مامون کے عام افعال و عادات کی نگرانی اس سے متعلق تھی۔ اس فرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سیمامون الرشید کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پا کر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاجزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی ن چھ سات بید مارے۔ اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحیٰی برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کر دے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادت مندانہ لہجہ میں کہا۔ "استغفر اللہ میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجھ کو کس قدر فائدے پہنچیں[2] گے۔

---

[1] دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱۔ ۱۲منہ

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۹۔۲۰ ۱۲منہ

خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل و کامل ہوتے تھے اولاد کو ان کی آغوش تربیت میں دے دیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ ہارون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو ۱۸۲ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی کی آغوش تربیت میں پلا۔ جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اور زیادہ تر اسی کی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل و کمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو نہایت متجر اور شاعر تھا مامون کی تعلیم و تربیت پر مامور تھا۔

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن لکھا ہے[1] غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہوگا۔ بہرحال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اس نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اس نے اس برجستگی سے سوالوں کے جواب دیے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے پرجوش طرب میں سینہ سے لگا لیا۔[2]

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جس کو اس بات میں شرف حاصل تھا کہ اس کی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم

---

[1] خلفاء میں صرف ابوبکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ مامون الرشید حافظ القرآن گزرے ہیں سیوطیؒ صفحہ ۲۳۳

[2] دیکھو دراری فی الذکر الذراری صفحہ ۲۹۔ ۱۲ منہ

دی تھی۔ ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ خلفائے بنی امیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیج دیے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم گھر بیٹھے ان سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو۔ اول اول اس نے جمعہ کے دن ایک مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پرتاثیر لہجے میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے اور اکثر لوگ رو پڑے۔ ابو محمد یزیدی نے اس پر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الاغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اس کے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کئے۔ فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلا لئے گئے۔

اور مامون نے ان کی فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشتم عباد بن العوام یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویۃ الفریر اسمعیل بن علیۃ۔ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی۔ حدیث کے فن میں مالک بن الانسؒ امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمۂ فن جن میں امام شافعی بھی شامل تھے ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے ان کی خدمت میں درخواست کی کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شہزادون کو علم حدیث پڑھائیں۔ امام مالکؒ نے کہلا بھیجا کہ ”علم کے پاس لوگ خود جاتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا۔“ انہوں نے اس بات سے ہارون کو اور بھی غیرت دلائی کہ یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمہی اس کی عزت نہ کرو گے تو وہ کیونکر عزت پا سکتا ہے۔“ اس معقول جواب کو ہارون نے خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادون کو حکم دیا کہ امام موصوف کی درسگاہ عالم میں حاضر ہون۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ شناس فن تھا۔ موطا کے پڑھنے کے لئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اس کو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ امین و مامون بھی اس درس میں اس کے ساتھ ہوتے [1] تھے۔ ہر چند دار الخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علماء موجود تھے اس وقت اور کہیں نہ تھے تاہم ہارون کی خواہش نہ تھی کہ ملک میں اور جو ارباب فن ہیں ان کے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اس وقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا باقی سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس و عیسیٰ ابن یونس تھے۔ جنہوں نے اپنے طریق عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ عبداللہ بن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں اور جب اسی وقت مامون نے ان حدیثوں کو زبانی سنا دیا تو عبداللہ بن ادریس بھی اس وقت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کر گئے۔ [2]

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ایک علم میں دستگاہ مناسب حاصل کی تھی لیکن خاص فقہ ادب۔ تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ اور درحقیقت ایک ایسے شخص

---

[1] سیوطی صفحہ ۲۹۷ موطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ مدت تک مصر کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ سیوطی صفحہ مذکورہ ۱۲ منہ

[2] مرآۃ الجنان یافعی ترجمہ اصمعی ۱۲۔ [3] سیوطی صفحہ ۲۳۲۔ ۱۲ منہ

کو جو بالطبع ذکی ہو جس نے یزیدی اور کسائی، جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی اور جو ابونواس۔ ابوالعتاہیہ۔ سیبویہ۔ فراء کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایسا ہی یگانہ فن ہونا چاہیے جیسا کہ مامون تھا۔ بچپن میں ایک دن اس نے اصمعی سے پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے۔

ما کنت الا کلحم میت   دعا الی اکلہ اضطرار

اصمعی نے کہا ابن عینیہ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب ۲ ہوا مامون نے اسی زمانہ میں شعر کہنا بھی شروع کیا تھا چونکہ طبیعت نہایت موزون اور نظر از بس وسیع تھی برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر جبکہ ہارون الرشید نے فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گزر جانے پر بھی لوگوں کو اس کے ارادہ کا ٹھیک حال معلوم نہیں ہوا تو مامون نے اراکین دربار کی فرمائش پر خلیفہ وقت کی خدمت میں قطعہ لکھا۔

یا خیر من دبت المطی بہ   ومن تقدی بسرجہ الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جن کو سواریاں لے کر چلتی ہیں اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے۔

ما الغایۃ فی المسیر نعرفہا   ان امرنا فی المسیر ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جس کو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔

ما علم ھذا الا الحاملک   من نورہ فی الظلام نقتبس

اس بات کا علم صرف اس بادشاہ کو ہے جس کے نور سے ہم لوگ تاریکی

مین روشنی حاصل کرتے ہیں۔

ہارون کو اس وقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس طباعی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکھا ''اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں۔

۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی و کسائی نحوی۔ وعباس بن الاحنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون رشید نے حکم دیا کہ خود شہزادہ مامون جا کر ان کے جنازے نماز پڑھائے۔ مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ ''کس کا جنازہ سب کے آگے رکھا ہے۔'' لوگوں نے عرض کی ''ابراہیم کا'' مامون نے کہا ''نہیں عباس کا جنازہ آگے رکھو۔'' نماز سے فارغ ہو کر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی۔ مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے:

وسعی بھا ناس فقالوا انما   لھی التی تشقی بھا وتکابد
نحجدتھم لیکون غیرک ظنھم   انی لیعجبنی المحب الجاحد

(یعنی معشوق کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اسی پر مرتے ہو۔ میں نے انکار کیا تا کہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں۔ مجھ کو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر مکر جائے۔) علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرہ میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت فن ادب کو

وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی ان کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

مامون نے ان علوم سے فارغ ہوکر فلسفہ وطلب پر توجہ کی۔ ہارون الرشید نے جو عالیشان محکمہ کتب عمیہ کے ترجمے کا قائم کیا تھا اور جس میں ہندو۔ پارسی۔ عیسائی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ نوکر تھے جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ وطبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے مامون کے تکمیل فلسفہ میں بہت مددگار ثابت ہوئے مگر اس موقع پر ہم اس کی تفصیل نہیں کرتے اس موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہوکر اس کے عام اخلاق وعادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اس کی علمی مجلسیں علماء سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے۔ یہاں مختصر طور پر صرف وہ حالات بیان کیے ہیں جو اس کی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے۔

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ء

ہارون کی اولاد ذکور ۱۲ تھیں جن میں سے چار ایسے لائق وقابل تھے جن کو وہ ولیعہدی کے لئے انتخاب کرسکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتمن۔ معتصم گو نہایت قوی اندام۔ دلیر۔ شجاع اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا۔ ہارون نے اس بنا پر اس کو خلافت سے بالکل محروم کردیا۔ امین کی ماں زبیدہ اور اس کا ماموں عیسیٰ بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولیٹکل طاقت رکھتے تھے کیونکہ اراکین دربار و

افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے۔ ۱۷۵ھ میں عیسیٰ بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحییٰ سے امین کی ولیعہدی کے لئے سفارش کی۔ اگرچہ اس کی عمر اس وقت کل پانچ برس کی تھی اور اس وجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی۔ ہارون نے تمام دربار سے امین کے لئے بیعت لی۔ امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع فصیح۔ خوش تقریر پاکیزہ رو۔ حور شمائل تھا۔ اس کے ساتھ اس نے نحو۔ ادب فقہ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی لیکن عیش طلب اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اس کی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل گرویدہ کر دیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ''میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت۔ ہادی کی شان شوکت پاتا ہوں اور اگر اپنے سے بھی اس کو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں''[۱] میں نے ''امین کو خلافت میں اس پر ترجیح دی۔ حالانکہ مجھ کو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور خواہشوں کا مطیع ہے اور لونڈیاں اور عورتیں اس کی مشیر کار ہیں اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون پر ترجیح دیتا۔

ہارون نے ایک دن ابو عیسیٰ[۲] اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن جمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا کہا ''کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا۔ خود مامون سے بھی وہ کہا کرتا تھا کہ ''ساری خوبیاں تجھی میں ہوتیں تو بہتر ہوتا

---

[۱] سیوطی صفحہ ۳۱۲ [۲] ذراری صفحہ ۴۸

اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی میں ابو عیسیٰ کا حسن بھی تجھی کو دیتا۔[1]

زبیدہ کو ان باتوں سے بہت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کنیز زادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر بحثیں ہوتی رہتی تھیں اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونوں کا امتحان لیتا تھا اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک اس نے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کر جو اسکے پاس رکھی تھیں امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ امین نے کہا ''مساویک'' یعنی مسواکیں۔ پھر اس نے مامون کو بلا کر یہی سوال کیا اس نے جواب دیا کہ ''ضِدُّ مَحَاسِنِکَ یا امیرالمومنین[2]

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھو کہ جب خلافت آپ کو ملے گی تو حضور میرے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے؟ امین نے نہایت خوش ہوکر کہا کہ میں تم کو اس قدر انعام اور جاگیریں دوں گا کہ تم نہال ہو جاؤ گے مگر مامون کے پاس گئے تو اس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اٹھا کر اس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا کہ بدمعاش جس دن امیرالمومنین نہ ہونگے تو ہم جی کر کیا

---

[1] تمام عباسی نسل میں خاندان خلافت اور خاندان خلافت میں ابو عیسیٰ نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔ اس کے ساتھ شاعر نکتہ سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ مامون الرشید کو عیسیٰ سے نہایت محبت تھی۔ علامہ اغانی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اسے خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا مگر افسوس کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی میں ہی مر گیا۔ مامون نے کئی دن تک اس کے غم میں کھانا نہیں کھایا۔

[2] مرآۃ الجنان ترجمہ المامون۔ ۱۲ منہ

کریں گے ہم ان پر فدا نہ ہو جائیں گے۔[1]

اس پر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کر سکتا تھا۔ مامون کے لئے اتنا کیا کہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اس کی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی اور سردست خراسان و ہمدان کے صوبہ جات کا گورنر مقرر کیا تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرہ ثغور و عواصم کی حکومت دی اور مامون کو اختیار دیا گیا کہ اگر قاسم لائق ثابت نہ ہو تو وہ معزول کر سکتا ہے۔ اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کر دی تھی مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ امین خود غرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور فوج کا بڑا اس کا طرفدار ہے اس کو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے ۱۸۶ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لے جا کر فہمائش کی پھر مامون کو بلایا اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں اس کے بعد دونوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے جس میں ہر ایک نے اس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے ان کے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو ممالک ملے اس میں کرمان شاہ۔ نہاوند قم۔ کاشان۔ اصفہان۔ فارس۔ کرمان شاہ رے۔ قومس طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو بغداد۔ واسطہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ جزیرہ حجاز۔ مصر اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ ان معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے اور ایک جم

---

[1] زراری صفحہ ۴۸۔ ۱۲ منہ

غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برمکی۔ وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن الربیع حاجب اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہا و علماء شامل تھے۔ بآواز بلند پڑھ کر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت اس پر دستخط کیے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا سونے کے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھ کر حرم کعبہ کے دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اس کی نہایت احتیاط کریں گے اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کر دیا جاوے گا۔ اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولیٹکل خیال پیدا ہو۔ تاہم اس خیال سے کہ وہ قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اس سے اس وقت کے عام خیالات اور طریق معاملات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم بجنسہ اس کا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔ [1]

دستاویز جو امین نے لکھی تھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک تحریر ہے جس کو محمد بن امیر المومنین ہارون نے امیر المومنین ہارون کے لیے لکھا بحالت ثبات عقل صحت جسم۔ و درستی

---

[1] علامہ ازرقی نے جو ۲۷۲ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو بتمامہا تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے۔ تاریخ مذکور از صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۶ مطبوعہ جرمن بمقام لیزک۔ ابن کاتب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

فعل۔ اطاعت مندانہ بلا جبر واکراہ کہ امیر المومنین ہارون نے ولیعہد سلطنت کیا ہے اور عموماً تمام مسلمانون پر میری بیعت لازم کی۔ میرے بھائی عبداللہ بن امیر المومنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر واکراہ سے۔ خلافت اور ولیعہدی اور مسلمانون کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی اور اس کو امیر المومنین نے اپنی زندگی مین اور اپنے بعد خراسان اور اس کے اضلاع و فوج و محکمہ ڈاک و پرچہ نویسی و بیت المال و بیت الصدقہ و عشرہ عشور کی ولایت دی ہے۔ پس مین اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیر المومنین نے بیعت خلافت و ولیعہدی اور مسلمانون کے عام معاملوں کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے مین ان سب اموز کو تسلیم کرون گا۔ خراسان اور اس کے اضلاع کی حکومت جو اس کو امیر المومنین نے عطا کی ہے یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اس کو دی ہیں یا کوئی جائداد خاص کر دی ہے یا کوئی زمین یا جاگیر اس کو خرید کر دی ہے اور جو چیزیں اپنی زندگی مین بحالت صحت از قسم مال و جواہرات واسباب و کپڑے و غلام جو اس کے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ عبداللہ بن ہارون امیر المومنین کی ہین جو اس کے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے اور میں نے اور عبداللہ بن امیر المومنین نے ان تمام چیزون کو ایک ایک کر کے بقیہ نام و نشان و جگہ جان لیا ہے اور اگر ہم دونون میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزون میں اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ مین ان چیزون میں سے کسی کو اپنا مال نہ قرار دون گا نہ اس سے چھینون گا نہ کم کرون گا وہ شے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبے نے جس کی

حکومت امیرالمومنین نے اس کو دی ہے مجھ کو کچھ بحث ہوگی۔ میں نہ عبداللہ کو ان صوبوں سے معزول کروں گا نہ خلع بیعت کروں گا نہ کسی اور کو اس پر مقدوم کروں گا نہ اس کی جان یا خون یا صورت یا ایک سرمو کو ضرر پہنچاؤں گا۔ نہ اس کے جزئی یا کلی امور میں یا حکومت۔ مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق کوئی رنج وہ بات کروں گا۔ کسی وجہ سے اس کی کسی چیز میں تبدیلی نہ کروں گا۔ نہ اس سے نہ اس کے عمال سے نہ اس کے منشیوں سے کچھ حساب کتاب سمجھونگا۔ خراسان اور اس کے صوبوں اور ان علاقوں میں جس کی حکومت امیرالمومنین نے اپنی زندگی میں وہ حالت صحت میں اس کو دی ہے۔ جو کچھ انتظامات خود اس نے یا اس کے عمال نے کیے ہونگے۔ مثلاً خراج۔ خزانہ۔ طراز۔ ڈاک صداقات عشر عشور وغیرہ اسکے در پے نہ ہونگے اور نہ کسی اور کو اجازت دوں گا۔ نہ ایسا خیال دل میں لاؤں گا نہ اپنے لئے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کروں گا۔ امیرالمومنین ہارون نے جو کچھ زمانہ خلافت میں اس کو عطا کیا ہے جس کا دستاویز میں ذکر ہے اور جس پر مجھ سے اور عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے اس میں کچھ کمی نہ کروں گا اور نہ اور کسی کو اجازت دوں گا کہ اس سے تعرض کرے یا اس کا مخالف بنے یا اس کی بیعت کو توڑے اس بارے میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنوں گا نہ اس پر ظاہر یا باطن میں راضی ہوں گا۔ نہ اس سے چشم پوشی کروں گا۔ نہ غفلت کروں گا اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بد سے نہ سچے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے نہ اولاد آدم میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ یا فریب یا حیلہ کسی بات میں

ظاہر ہو یا باطن میں حق تعالیٰ میں کروں گا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فاسد کرنا مقصود ہو جو میں نے عبداللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے برائی کا ارادہ کرے یا ضرر پہنچانا چاہے یا اس کی بیعت توڑنا چاہے یا اس سے ارادہ جنگ کرے یا اس کی جان یا جسم یا سلطنت یا مال یا حکومت میں مجتمع یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہو گا کہ اس کی مدد کروں اور حفاظت کروں اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ حرم و حکومت سے دفع کروں وہ اس سے بھی دفع کروں اور نہ چھوڑوں اس کو اور نہ جاؤں اس سے اور جب تک میں زندہ ہوں اس بارے میں اس کے کام کو اپنا کام سمجھوں گا اور اگر امیر المومنین کو موت آ جائے اور میں اور عبداللہ بن امیر المومنین اس وقت امیر المومنین کے پاس موجود ہوں یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو یا اراکین حاضر ہوں ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقامات میں اور عبداللہ بن امیر المومنین خراسان کے علاقہ حکومت وصوبے وفوج فرض ہو گا کہ اس کو خراسان روانہ کروں۔ اور وہاں کی حکومت وصوبے وفوج اس کے حوالے کروں۔ میں اس میں نہ تاخیر کروں گا نہ اس کو روکوں گا۔ نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے ادھر اور فوراً اس کو روانہ کر دوں گا۔ خراسان اور اس کے مضافات کا حاکم کر کے مستقل طور پر بغیر اس کے کہ کسی کو اس کا شریک کروں اور ان سب لوگوں کو اس کے ساتھ کروں گا جن کو امیر المومنین ہارون نے عبداللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا ہے از قسم افسران۔ فوج و لشکر و ندیم و منشی و عمال و غلام و خدام اور جو اس کے ہمراہ ہوں مع ان کے اہل و عیال کے۔ ان

میں سے میں کسی نہ روکوں گا اور نہ کسی کو اس میں شریک کروں گا۔ میں عبداللہ پر نہ کوئی امین بھیجوں گا نہ پرچہ نویس نہ پندار اور نہ قلیل یا کثیر میں اس کا ہاتھ پکڑوں گا۔

جو کچھ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں اور جو کچھ لکھا ہے ان کی نسبت امیر المومنین ہارون کو اور عبداللہ بن امیر المومنین کو ذمہ دیتا ہوں اور امیر المومنین کا اور اپنا اور اپنی آباؤ اجداد کا اور تمام مسلمانوں کا اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیاء اور مرسلین اور عامہ خلائق سے لئے ہوں اور اس قسم کے عہد و میثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور جس کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے پھر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیر المومنین ہارون اور عبداللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جس کا اس تحریر میں ذکر ہے یا خیال کروں اس چیز کے توڑنے کا جس پر میں قائم ہوں یا اس کو بدلوں یا خیال کروں یا بدعہدی کروں یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے نیک یا گنہگار مرد یا عورت۔ جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اس کے خلاف قبول کروں تو میں بری ہوں۔ کدائے عزوجل سے اور اس کی ولایت سے اور اس کے دین سے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے دن مشرک ہو کر خدا سے ملوں اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے یا آئندہ تیس برس تک میرے عقد میں آئے مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الجرح اور مجھ پر فرض ہوگا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کہ جو مجھ پر واجب ہونگے۔ خدا نہ قبول کرے مگر اس کا پورا کرنا اور جو مال آج میرا ہے یا جس کو میں

تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجھ کو بطور ہدیہ کے بھیجنا ضرور ہوگا اور جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں یا آئندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے اور جو کچھ میں نے ہارون امیر المومنین اور عبداللہ بن امیر المومنین کے لئے لکھا ہے اور شرط کی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے کہ مجھ کو اس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اس کے خلاف دل میں کوئی خیال نہ لاؤں گا اور اس کے سوا نیت نہ کروں گا۔ اور دل میں اگر ایسا خیال لاؤں یا کچھ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں مجھ پر لازم اور واجب ہوں گی۔ امیر المومنین کے افسران۔ فوج اور خود لشکر اور تمام شہروں کے لوگ اور عام مسلمان۔ سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہوں گے اور میرے خلع بیعت سے ان پر کچھ حق مواخذہ نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہوں گا۔ مجھ کو ان کی اوپر کچھ حق نہ ہوگا نہ ولایت۔ نہ اطاعت۔ نہ بیعت اور ان لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہوگا جو انہوں نے میرے حق میں کیے ہیں۔ [1]

---

[1] اس معاہدے پر ۳۷ بڑے بڑے عمائدین و اعیان کے دستخط ہیں میں نے تطویل کے خوف سے ان کے نام نہیں لکھے۔ ۱۲ منہ

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اس کی طرف سے لکھی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے

امیر المومنین ہارون نے مجھ کو امین کے بعد ولیعہد کیا اور امین نے ایک دستاویز لکھی جس میں اس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اس پر قسم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کروں گا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد چاہے گا تو کافی اعانت کروں گا۔ جب تک وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولی عہد کرے تو میں اس کو تسلیم کروں گا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو لیکن اگر خود امیر المومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے بعد ولی عہد قرار دیں تو مجھ کو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اب تک تو بظاہر امین و مامون ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصہ دار تھے مگر متعدد تجربوں نے ثابت کر دیا تھا کہ امین خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا۔ اسی خیال سے ہارون نے اس کے اختیارات کم کرنے شروع کر دیے۔ اسی کے ساتھ مامون کو امین پر ترجیح دی اور گویا طریق عمل نے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے۔ نہ امین۔ ۱۸۹ھ میں بمقام قرتاسین علی روس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال۔ خزانہ۔ اسلحہ۔ اسباب۔ جو کچھ ہے مامون کا ہے پھر تمام دربار نے کہا [illegible]

کہ ''تم لوگ گواہ رہو۔'' ۱۶۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جس کو بجائے بغداد کے دارالخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکا خلیفہ منصور کی خاتم خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کاروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا۔ ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی جس کے فرو کرنے کو ہارون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہو گئی۔

امین کی سازش کے لئے ایک عمدہ موقع تھا کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تھے سب اس کے طرفدار تھے اور خصوصاً وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و بازو تھا وہ عرب کی نسل سے تھا اور امین نے اسی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ہارون کے ساتھ اس وقت اگرچہ امین و مامون دونوں میں سے کوئی نہ تھا مگر فضل بن ربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سن کر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے جو اہل دربار کے نام تھے۔

ہارون الرشید نے اسی مرض میں ۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں انتقال کیا۔ اس کے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جن کا مشترک مضمون یہ تھا کہ ''فوج مع تمام خزانہ و اسباب کے دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہو۔'' تمام درباریوں کو حوالہ کئے۔ افسران فوج اور بعض عماد اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متساہل ہوئے لیکن فضل بن ربیع وہ شخص تھا کہ سارا دربار اس کے ہی اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ امین کے سامنے جو خاص دارالخلافہ پر قابض ہے مامون کو کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی

طرف سے تھی۔ امین اپنی تدبیر میں پورا کامیاب ہوا۔ مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج و حشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جس میں اسباب و جواہرات کے علاوہ پچاس کروڑ کے صرف درہم و دینار تھے۔ اس کو ایک حبہ بھی نصیب نہ ہوا۔ غرض متفقاً سب نے بغداد کا رخ کیا۔ مامون اس وقت مرو میں تھا۔ جب یہ خبر پہنچی تو اراکین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی۔ سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بزور واپس لا سکتے ہیں۔ مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لے جا کر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی۔ شاہی فوج پر جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ فتح کو کیا حاصل کر سکتے ہیں جب شکست کھا کر جان سے ناامید ہو نگے تو حضور کو امین کے حوالے کر دیں گے کہ اس کارگزاری کے صلے میں اپنی جانیں بچالیں۔ اگر یہی منظور ہے تو پہلے فوج کا ارادہ دریافت کر لیا جائے۔ دو خاص خادم یہ نامے لے کر گئے۔ فضل بن الربیع نے خط پڑھ کر کہا۔ "میں تو رائے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہو نگے میں بھی ہوں گا لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھ کر کہا کہ "تمہارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اس کے پہلو سے پار ہوتی۔" اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ ادھر تو اس کے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے ادھر یہ ڈھنگ دیکھ کر خراسان کی سرحدی ریاستیں اکثر بغاوت پر کمربستہ ہو گئیں۔ مامون خلافت سے یک لخت مایوس ہو گیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اس کو تسکین نہ دی ہوتی تو غالباً وہ حکومت سے دست بردار ہو جاتا۔ اس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہہ دیا کہ

"سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ وسفید کے مالک ہو اور میں عنان حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔"

فضل کا بظاہر کوئی سہارا نہ تھا اس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ "حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے۔" تاہم فضل کے عزم وثبات میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس نے اپنے مضبوط اور پیش بیں دل سے یہی صدا سنی کہ "مامون ضرور کامیاب ہوگا۔" مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی لیکن علماء وفضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جو اس کی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا اور جن کے زہد وتقویٰ کا ملک پر بڑا اثر تھا۔ فضل نے ان مذہبی جرنیلوں سے جو کام لیا بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ لوگ تو تمام اطراف ودیار میں پھیل گئے اور وعظ وافتا کے ذریعہ سے وہ اقتدار حاصل کیا کہ ان کی ایک صدا پر ملک کا ملک امنڈ آیا۔

مامون نے خود بھی فضل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول حاصل کیا کہ اس کے عدل وانصاف کے گھر گھر چرچے تھے۔ خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کردینے سے تمام ملک اس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہوگیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ کیوں نہ ہو! ہمارا بھانجا اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے۔" چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی۔ اس لئے تمام ایرانی اس کو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی اس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گھر تیار کرایا۔ فرامین بھیجے کہ قوال۔ مسخر ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں اور دارالخلافہ کو روانہ کیے جائیں۔ ہاتھی۔ عقاب۔ سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں اور ان میں بیٹھ کر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اس کو مامون کا خیال بھی نہیں رہا لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصل باعث تھا اور انہیں کاروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ مامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ امین نے پہلے تو انکار کیا مگر فضل نے کہا کہ اول جو بیعت تمام ممالک سے لی گئی وہ آپ کے لیے تھی اور غیر مشترک تھی پھر ہارون الرشید کو اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا۔ یہ بات امین کے دل میں اتر گئی اور اس پر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کر کے موسیٰ کے لئے جو اس کا صغیر السن لڑکا تھا بیعت لے۔ دربار میں اگرچہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبداللہ بن حازم نے بیباکانہ کہا کہ اسلام میں آج تک کسی نے عہد شکنی نہیں کی آپ یاد رکھیں کہ اس کی تاریخ آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔

امین نے خفا ہو کر کہا کہ ''چہ رہ عبدالملک تجھ سے زیادہ عاقل تھا۔'' اس کا قول ہے کہ جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے۔'' افسران فوج طلب ہوئے۔ خزیمہ نے صاف مخالفت کی اور کہا کہ ''اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھیے۔

امین اس وقت ارادے سے باز رہا مگر فضل بن الربیع کا جادو بے اثر نہیں جا سکتا تھا۔ چند روز کے بعد تمام ملک میں احکام بھیج دیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسیٰ کا نام پڑھا جاوے۔ مامون اپنی قوت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اب اس نے علانیہ مخالف کاروائیاں کرنا شروع کیں۔

امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ موسیٰ کی ولی عہدی تسلیم کرے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض ضلاع طلب کیے تو مامون نے قاصدوں سے کہہ دیا کہ ''امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیے۔''

یہ کاروائیاں گویا دیباچہ جنگ تھیں اور اس وجہ سے مامون نے احتیاطاً تمام ممالک میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جب تک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فوج افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج و سامان تیار رہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا جس قدر جلد ممکن ہووے پہنچ کر دشمن کا سدراہ ہو۔

مامون پر فوج کشی سنہ ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں۔ امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تھیں مکہ معظمہ سے منگوا کر چاک کر ڈالیں اور موسیٰ اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا ناطق بالحق کا خطاب دیا۔ عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کی بجائے موسیٰ کا نام پڑھا جاوے۔

فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ سپہ سالار فوج علی بن عیسیٰ کو دو لاکھ دینار انعام میں دلوائے۔ اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔

کوچ کے دن فوج اس سروسامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ و حشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے حیرت زدہ رہ گئے علی بن عیسیٰ روانگی کے وقت **زبیدہ خاتون** (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اس میں مقید کر کے لانا۔ اس کے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ ”امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھ پر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا۔ سخت کہے تو برداشت کرنا۔ راہ میں رکاب تھام کر چلنا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تو جانتا ہے کہ اس کا مرتبہ کیا ہے یاد رکھ کہ تو اس کا کسی طرح ہمسر نہیں ہو سکتا۔“ غرض علی پچاس ہزار فوج لے کر رے کی طرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تھے متفق اللفظ بیان

کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی تیاریاں کر رہا ہے مگر علی کثرت فوج پر اتنا مغرور تھا کہ اس کو مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہنچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر علی کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا اگر دشمن کی فوجیں شہر پناہ تک پہنچ گئیں تو ظاہری غلبہ دیکھ کر خود شہر والے ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ طاہر صرف چار ہزار فوج لے کر باہر نکلا۔ علی بھی قریب پہنچ گیا تھا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے آگے بڑھی سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا۔ پیچھے نوسو قدم کے فاصلے پر دس علم اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جس کے قلب میں علی تھا اور پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار تھے۔ طاہر کی فوج کو نہایت مختصر تھی مگر اس کے پرزور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسی کو خیال ہی نہ تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے صف میں سے نکل کر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اسی کے رتبہ کا کوئی سوار اس کے مقابل ہو۔ اس کو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد نہ تھا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آ کر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا اس کے صلہ میں زبان خلائق سے اس کو ذوالیمینین کا لقب ملا یعنی دونوں ہاتھوں والا۔

اب عام لڑائی شروع ہوئی علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ طاہر کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تاہم

بذات خود ثابت قدم رہا اور دوبارہ فوج کو ترتیب دیکر اہلِ علم پر حملہ آور ہوا۔ اس کے پے در پے حملوں نے علم برداروں کی صفیں الٹ دیں۔ پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہوگئی۔ علی نے ہزار سنبھالا مگر سنبھل نہ سکی۔ اس ہنگامہ میں دفعتاً ایک تیر آ کے لگا اور علی کا خاتمہ ہوگیا۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور مامون کو مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا۔ کتابی الی امیرالمومنین وراس علی بین یدی وخاتمہ فی اصبعی وجندہ مصرفون تحت امری۔ یعنی میں امیرالمومنین کو خط لکھ رہا ہوں اور علی کا سر میرے سامنے ہے اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں۔

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈھائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی۔ تین دن میں طے کی اور چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد علی کا سر پہنچا۔ بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر کیا گیا۔

امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ حوض میں رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں جن کو سونے کی نتھنیاں پہنائی تھیں۔ نتھنیوں میں بیش قیمت موتی پڑے تھے کہ جس کے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اسی کو ملے۔

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ ہمیشہ اس کے کنارے شکار کھیلا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اسی شغل میں تھا کہ دفعتاً مسرور نے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔ امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ! کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور مجھ کو صبح سے اب تک ایک بھی نہیں ملی۔

شکار سے فارغ ہوا تو فضل بن الربیع کو طلب کیا۔ امین نے شکست کی متلافی کی کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ روپے وصول کیے۔

امین نے ایک اور فوج تیار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ عبدالرحمٰن سپہ سالار مقرر ہوا۔ اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان سرحد پر پہنچ کر ٹھہری۔ عبدالرحمٰن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کیے۔ طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ آخر عبدالرحمٰن امن کا طالب ہوا اور شہر چھوڑ کر کسی طرف بھاگ نکلا۔ طاہر قزوین پر بڑھا۔ یہاں کا عامل کثیر تھا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ قزوین پر تو قبضہ ہو گیا مگر دفعتاً عبدالرحمٰن ایک فوج عظیم لے کر پہنچا اور اس تیزی سے حملہ ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں۔ صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی۔ وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پا کر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت معرکہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ خود ثابت قدم رہا اور جب اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اب لڑنا بے سود ہے۔ بھاگ چلیے۔ تو اس نے نہایت غیظ سے کہا کہ "میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا نہیں چاہتا۔" نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا۔

اس فتح نے دور دور تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا۔ جبل کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں تھے۔ تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلے کو پست نہ کر سکیں۔ اس نے ایک اور عظیم الشان فوج آراستہ کی جو بغداد میں کم

وپیش چالیس ہزار تھی، سپہ سالار وہ مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے یعنی احمد بن زید و عبدالرحمن بن حمید۔ طاہر ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا۔ جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈال دی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر صرف کر کے بغداد واپس گئے۔

ان فتوحات نے مامون کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا اور درباریوں کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ فضل کو ان تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا جو ہمدان سے تبت تک طول میں اور بحر فارس سے جرجان و دیلم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیر نگین تھے۔ اس کے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تین لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج۔ علی بن ہشام کو وزیر الحراب، نعیم کو وزیر القلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشان میں ٹھہرا اور رستمی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستمی کی آمد سن کر اہواز پہنچا۔ اور قلعہ بندی شروع کی مگر اس کے دوسرے ہی دن رستمی اور

قریش جس کو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ رستمی کی مدد کو بھیجا تھا پہنچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا محمد کی فوج نے شکست کھائی مگر وہ خود چند جان نثاروں کے ساتھ کھڑا میدان جنگ میں لڑتا رہا۔ اگرچہ فتح سے ناامید ہو چکا تھا تاہم اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بھاگ گئے ان کے واپس پھرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں ان کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں۔ میں تو لڑ کر مارا جاؤں گا تم کو اجازت ہے جدھر چاہو چلے جاؤ میں تمہارے مرنے سے بہرحال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ سب نے متفق اللفظ کہا کہ آپ کے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہے۔ محمد اور اس کے جان نثار غلام گھوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ پا حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کیے مگر خود جانبر نہ ہو سکا۔ محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا جس کی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل تھی اور چونکہ وہ خود بھی شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اس کے مارے جانے کا افسوس رہا۔ اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان تک مطلع صاف کر دیا اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضہ میں آ گئے۔ اب وہ واسطہ کی طرف بڑھا یہاں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے اور سنہ ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے بغداد اور اس کے متعلقات بچ رہے۔ مدائن میں برمکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دارالخلافہ سے بھی ہر روز مدد چلی آتی تھی۔ مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برمکی اس کے مقابلے کو نکلا تو فوج کی صفیں بھی درست نہ ہو سکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہو گئی۔ مجبور ہو کر خود شب کو اجازت

دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تھی اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ حرمین میں بھی اس کا سکہ و خطبہ جاری ہو گیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تھا اس نے تمام داعیانِ عرب کو جمع کیا اور مجمع عام میں ایک نہایت پراثر تقریر کی۔ جب برائیاں کیں تو فقیروں نے ساری مجلس کو کپکپا دیا کہ "یہ وہی امین ہے جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا اور معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تھی ان کو چاک کر کے آگ میں جلا دیا۔" داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا اور سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لئے بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے اور مکہ کی حکومت اس پر مستزاد کی۔ چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال نے بھی طاہر کی اطاعت قبول کی اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہ گئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں تقریباً چار سوار تھے علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ رمضان ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ امین کی آخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کا طمع دلا کر دشمن کی فوج توڑ لی جائے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہارون کے زمانہ کا اب بھی بہت اندوختہ موجود تھا جو اس ضروری موقع پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچ ہزار آدمی اس طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے۔ امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے اس سے بھی زیادہ انعام

وصلہ دیا اور فخر کے طور پر ان کی داڑھیاں مشک سے رنگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے۔ صرصر میں مقابلہ ہوا مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور بے شمار غنیمت ہاتھ آئی۔ امین نے اب تک ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانڈر و جنرل بھی مقرر کیے اور ایک ایک کو گراں بہا انعامات سے مالا مال کر دیا۔ قدیم افسر جو ان فیاضیوں سے محروم رہے۔ نہایت ناراض ہوئے۔ ادھر طاہر نے ان سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ علانیہ باغی ہو گئے۔ درباریوں نے عرض کیا کہ انعام وصلہ کا طمع دلا کر قابو میں لانا چاہیے لیکن امین کو اپنی نو آزمودہ فوج پر اس قدر ناز تھا کہ اس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پرواہ نہ کی اور ان نو آزمودہ کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کر لائیں۔ ادھر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرا تھیں ادھر طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا اور ذوالحجہ سنہ ۱۹۶ھ میں باب الانبار پہنچ کر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت سے افسر اس کے پاس حاضر ہو گئے اور بڑے بڑے انعام و اکرام حاصل کیے۔

بغداد کا محاصرہ سنہ ۱۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہو چکی تھی اور بظاہر دارالخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سد راہ نہ تھا۔ تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔

بغداد ایک مدت سے خلفائے عباسیہ کا پایۂ تخت اور ان کی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی جن میں اکثر مسلمان تھے اور سپہ گری کا فطرتی جوہر رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر نہایت تدبیر سے چلا۔ بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے ان کو خاص خاص حصوں پر متعین کیا اور حکم دیا کہ جو لوگ حلقۂ اطاعت میں آئیں ان کو امن دیا جائے۔ باقی حصوں پر منجنیقوں کے ذریعے سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کر دیں۔ نہایت سفاکی اور بے رحمی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالی شان مکان برباد کیے گئے۔ محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ افراہمرد۔ محمد بن عیسیٰ۔ سعید بن مالک۔ نہایت دلیری سے لڑے مگر عاجز ہو کر طاہر کی پناہ میں آتے گئے۔ رفتہ رفتہ عبداللہ۔ یحییٰ بن ہامان محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی۔ صرف شہر کے اوباش و عیار باقی رہ گئے جو طاہر کے سد راہ تھے لیکن ان کے زیر کرنے میں جو طاہر نے دقتیں اٹھائیں بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اٹھائی تھیں۔ قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے حملہ کیا کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہو گئی اور چند مشہور افسر مارے گئے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ علی کے معرکہ سے لے کر آج تک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے الرقیق تک اور باب الشام سے باب الکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیتاً برباد کر دی جائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہ ہوئے تو ن گذرگاہوں پر پہرے بٹھا دیے کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے

پائے۔ لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے قصر شماسیہ پر طاہر نے عبداللہ کو متعین کیا تھا عیاروں نے اس کو شکست دی اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمہ مدد کو آیا تو عیاروں نے اس کو زندہ گرفتار کیا اور دارالسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہو گیا۔

پورے برس دن محاصرہ رہا اور دارالسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہو گیا۔ ایسا معمور اور پُر رونق شہر دور دور تک کف دست میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں تیار ہوئے تھے ان کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے۔ اہل شہر پر جو سختیاں گزریں ان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے۔ ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں۔ شعراء نے نہایت جانکاہ مرثیے لکھے ابن رومی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۱۵ شعروں کا ہے اور اس قیامت انگیز واقعہ کی پوری تصویر ہے۔ بغداد اتنا کچھ برباد ہو چکا تھا تاہم طاہر کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور اگر خزیمہ جو امین کے درباریوں میں نہایت بااثر شخص تھا ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی۔ خزیمہ نے ۱۲ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور دجلہ پر علم نصب کر کے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول کر دیا گیا۔ اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل فتح ہو گیا۔

دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔ بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا۔ طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی سی فوج متعین کی اور بذات خود مدینۃ المنصور، قصر زبیدہ۔ قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔ نہایت غالی

شان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے بجائے خود ایک شہر تھے اور ان کے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی۔

عبرت

اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہارون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات امین دل بہلانے کیلئے محل سے باہر نکلا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابراہیم ”دیکھئے! کیا سہانی رات ہے۔ چاند کیسا صاف اور روشن ہے۔ دجلہ پر اس کا عکس پڑتا ہے تو کیسا خوش نما معلوم ہوتا ہے۔ ایسے پر لطف وقت میں کیا چیز ضروری ہونی چاہئے؟ شراب میں نے کہا سمعاً وطاعۃ۔ عرض شراب آئی۔“ امین نے میری طرف پیالہ بڑھایا۔ میں نے مزے میں آ کر چند اشعار گائے۔ امین نے کہا ”نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہئے۔ حسب الطلب ایک مغنیہ کنیز آئی۔ امین نے نام پوچھا تو اس نے کہا ”ضعف“ امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا۔ پھر کچھ گانے کی فرمائش کی اس نے یہ شعر گائے۔

کلیب لعمری کانا اکثر ناصراً وایسر حزماً منک مزج بالدم

یعنی اپنی عمر کی قسم۔ کلیب کے مددگار زیادہ تھے اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا تاہم خون میں رلایا گیا۔“ امین اور مکدر ہوا۔ دوسری چیز گانے کی فرمائش کی۔ اسے یہ شعر گایا

ابکی فراقهم عینی فارقها ان التفرق لاحباب بکا

یعنی ''ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رلایا۔ اور نیند کھو دی۔ جدائی دوستوں کو سخت رلانے والی چیز ہے۔ امین نہایت مجش ہوا اور خفا ہو کر کہا ''کمبخت تجھے اس کے سوا اور بھی کچھ گانا آتا ہے۔'' اس نے عرض کیا۔ ''میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سن کر خوش ہوں۔'' پھر اس نے اور چند ایسے ہی اشعار گائے۔ امین نے نہایت غصہ میں آ کر کہا ملعون دور ہو۔ اٹھی تو ایک بلور کے پیالے سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اور امین اس کو زب زباج کہا کرتا تھا ٹھوکر کھا کر گری۔ اس کے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہوا کہ دیکھتے ہو آج کیا باتیں پیش آتی ہیں۔ غالباً اب میرا وقت پورا ہو گیا ہے۔'' اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی **قضی الامر الذی فیہ تبعثان** یعنی جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا۔ امین نے مجھ سے کہا ''کچھ سنا بھی'' میں نے عرض کیا ''مجھ کو کوئی چیز سنائی نہیں دی۔'' تاہم اٹھ کر میں نہر کے قریب گیا کوئی نظر نہ آیا تو واپس آ کر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی۔ امین زندگی سے مایوس ہو کر اٹھا اس واقعہ کے دو یا تین دن بعد ہی قتل کیا گیا۔

اس یاس اور ناامیدی میں امین کو بھائی یاد آیا۔ اس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ ''آپس کی خانہ جنگیوں نے یہ نوبت پہنچی کہ اب عزت اور ناموس کی طرف سے بھی اندیشہ ہے مجھ کو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھ کر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو۔ بہرحال میں اس پر راضی ہوں کہ تو مجھ کو اماں دے تو بھائی مامون کے پاس چلا جاؤں۔ اگر اس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے اگر قتل کرا

دیا تو گویا ایک زور نے دوسرے زور کو توڑا اور تلوار نے تلوار کو کاٹا۔ اگر شیر پھاڑ ڈالے اس سے اچھا ہے کہ مجھ کو کتا نوچ کھائے۔ یہ یقینی ہے کہ امین اگر مامون تک پہنچ جاتا تو مامون کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی شفیع ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اس کی جان ضرور بچ جاتی لیکن طاہر نے جس کی قسمت میں تھا کہ خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلائے اس درخواست کو نامنظور کیا۔

امین کا قتل ۲۵ محرم سنہ ۱۹۸ھ

طاہر کے پیہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلایا کہ اب ان کے روکنے کی کوشش قریباً بے کار ہے۔ محمد بن حاتم بن القصر و محمد بن آغلب افریقی جنگی پامردی سے طاہر اب تک امین پر دسترس نہیں پاسکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے اور امین کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ "نمک خواروں نے کورنمکی کی۔ دشمن حریم شاہی تک پہنچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقاء میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کر لئے جائیں جن کے لئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد میں گھوڑے موجود ہیں۔ انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکل جائیں اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے۔ حضور وہیں کا قصد کریں۔ وہاں اس قدر خزانہ و مال موجود ہے کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے بڑھا سکتے ہیں اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا۔" امین نے یہ رائے تسلیم [illegible]

کی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دارالخلافہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جائیں۔ طاہر کو یہ خبر پہنچی تو اس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن عیسیٰ وغیرہ کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ ظاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اس کے پاس آمدورفت رکھتے تھے لیکن جان کے خوف سے طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ "اگر امین بچ کر نکل گیا تو تم کو اپنی زندگی سے بھی مایوس ہونا پڑے گا۔ جس طرح بنے اس کو اس ارادے سے باز رکھو۔ مجبوراً یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے اور کہا "جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خودغرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلے میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی دکھائی ہے ان کو یقین ہے کہ اگر اس نے فتح پائی تو پہلے انہی کی خبر لے گا۔ اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کر کے طاہر کے حوالے کر دیں اور اس کارگزاری کے صلہ میں اس سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوں بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہو جائیں اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں دے دیں۔ وہ آپ کا ادب ملحوظ رکھے گا اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ برادرانہ سلوک کرے۔ امین اس فریب کو سمجھ نہ سکا اور یہ رائے مان لی اس قدر اختلاف کیا کہ بجائے طاہر کے ہرثمہ کو اختیار کرنا چاہیئے ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابر کو جب اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو امین کے پاس آئے اور عرض کیا کہ "اگر حضور نے ہم خیرخواہوں کا کہنا نہ مانا اور خودغرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہیئے۔ امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس وقت سے طاہر کا نام سن کے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا

کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جس کی بلندی آسمان تک پہنچی ہے۔ میں اس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں۔ بن دیوار میں طاہر افتادہ ہے اور دیوار کی جڑ کھود رہا ہے۔ بالآخر وہ گر پڑی جس کے ساتھ میں بھی نیچے آیا اور تاج شاہی سر سے گر گیا۔" اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ اس خاندان کا نمک پروردہ قدیم ہے اور میں اس کو ظل سبحانی ہارون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں۔"

امین اسی رائے پر قائم رہا اور ہرثمہ سے امان طلب کی۔ اس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا اور جواب میں لکھا کہ "آپ اطمینان رکھیں کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سینہ سپر ہوں گا اور جب تک دم میں دم ہے ساتھ دوں گا۔" طاہر کو یہ خبر پہنچی تو نہایت طیش میں آیا اور کہا کہ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آج تک تمام معرکوں میں میں نے جانبازی کی ہو اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہے ہرثمہ[1] کو نصیب ہو۔" اس نزاع کے فیصل کرنے کے لئے عمائد بنی ہاشم شامل تھے۔ بالآخر اس فیصلہ میں امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آیا اور چھڑی و چادر و انگشتری سند خلافت ہیں۔ طاہر کے پاس بھیج دے مگر افسوس ہے امین کی بدقسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہر ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد خاص تھا اور اب طاہر سے مل گیا تھا اپنا تقرب بڑھانے کے لئے طاہر سے کہا کہ[2] آپ کو دھوکا دیا گیا ہے

---

[1] ہرثمہ نسباً ہاشمی تھا اور چونکہ امین ہمیشہ سے اس لئے زیادہ مانوس تھا اس موقع پر بھی اسی سے طالب امن ہوا۔ [2] آپ [illegible]

لوگوں نے بندوبست کرلیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے۔ طاہر نہایت برافروختہ ہوا اور تیراندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے اور ان کو تاکید کی کہ امین نکل نہ جانے پائے۔ محرم ۱۹۸ھ کو ۲۵ تاریخ ہفتہ کی رات قریباً دس بجے امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر اس نے کہلا بھیجا کہ دجلہ پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے۔ آج کی رات حضور اور توقف فرمائیں تو کل میں فوج وحشم سے تیار ہوں اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑوں۔" امین ایسے اضطراب وخوف کی حالت میں تھا کہ دارالخلافہ میں ایک لحظہ بھی ٹھہرنا اس کو گراں تھا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ "اس اضطراب میں کس طرح سے رات کٹ سکتی ہے۔ بلائے یا نہ بلائے میں تو اسی وقت ہرثمہ کے پاس جاتا ہوں امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت ہرثمہ القصر کے صحن میں ایک کرسی پر بیٹھا اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور سینے سے لپٹا کر پیار کیا۔ ان کی پیشانی اور رخساروں پر بوسے دیئے اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا اور نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہہ کر رخصت کیا کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو ہزاروں کمر زرین غلام ساتھ کے برابر چلتے تھے جن کی زرق برق پوشاکیں اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیاروں سے تمام میدان چمک جاتا تھا آج وہ اس حال میں دجلہ سے چلا کہ خادم کے ہاتھ میں صرف ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کے لئے قصر خلد سے ساتھی آئی ہے۔ دجلہ کے کنارے پر پہنچا تو ہرثمہ آدمیوں کے ساتھ

امین کو لینے کے لیے پہلے سے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھ کر سب تعظیم کو اٹھے۔ ہرثمہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی آداب شاہی نہ بجا لا سکا اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ ''بیماری کی وجہ سے معذور ہوں۔ امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہرثمہ نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیے اور ادب آمیز پیار سے کہتا جاتا تھا ''میرے آقا میرے مالک۔ میرے سردار۔ ہرثمہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا کہ دفعتاً طاہر کے آدمیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور اس قدر پتھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پھاڑ کر ہلکا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کنارہ تک پہنچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ امین کے ساتھ میں بھی کشتی پر تھا۔ لوگ مجھ کو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ میں نے دس ہزار درہم کے وعدہ پر جان بچائی اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سوار آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کیے ہوئے لائے کہ بدن سے ننگا صرف ایک پائجامہ پہنے تھا۔ سر پر ایک عمامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ چادر تھی۔ عمامہ سے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میں جس حجرہ میں محبوس تھا اسی میں امین کو بٹھا کر چلے گئے اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں۔ ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرے سے نقاب الٹی۔ میں نے پہچانا تو بے ساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا ''حضور کا نمک خوار غلام احمد بن سلام۔'' امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا

بھائی غلامی کیسی اس وقت تم میرے قوت بازو اور برادر ہو مجھے ذرا سینہ سے لگا لو مجھ کو سخت وحشت ہو رہی ہے میں نے لپٹایا تو اس کا کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا۔۔۔ پھر پوچھا مامون کا کچھ حال معلوم ہے۔ میں نے کہا ''زندہ ہے'' کہنے لگا ''خدا پرچہ نویسوں کا برا کرے کم بختوں نے خبر دی تھی کہ مر گیا'' میں نے کہا ''خدا آپ کے وزیروں کا برا کرے'' امین نے کہا ''وزیروں کو کچھ نہ کہو۔ ان کا کیا گناہ ہے۔ کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں جو اپنے ارادے میں ناکام رہا ہوں۔'' پھر مجھ سے پوچھا کہ ''کیوں احمد! لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں گے یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے۔'' میں نے تسکین دی کہ ''نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کریں گے۔''

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ چادر میں لپٹا جاتا تھا۔ میں نے اپنا شلوکہ اتار کر دیا کہ اس کو بدن پر ڈال لیجئے۔'' اس نے نہایت شکر گزاری سے کہا کہ ''بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔'' آدھی رات گزری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لئے آئے اور دروازے پر ٹھہرے۔ امین یہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا اور یہ کہتا تھا ہائے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں۔ کیا کوئی فریادرس نہیں۔ امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بھی تھا۔ اس بے کسی میں تھا ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں۔ ہر شخص دوسرے سے ٹالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ایک تکیہ ہاتھ میں اٹھا لیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں۔ ہارون الرشید کا فرزند ہوں۔ مامون کا بھائی ہوں۔ میرا خون کسی طرح حلال نہیں۔ بالآخر ایک شخص تلوار لے کر بڑھا اور امین کے سر پر ماری۔ امین گستاخی اور

جرأت نے امین کو یقین دلا دیا کہ اس کی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ وہ مرنے کے لئے تیار ہوا مگر ایسا ہی مرنا جیسا ایک عباسی شہزادہ کو درکار تھا۔ اب اس کی نزاکت غضبناک جرأت سے بدل گئی۔ دلیرانہ بڑھا اور چونکہ نہتا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے یہ دیکھ کر گروہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا۔ ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری پھر سب نے مل کر پچھاڑا اور الٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سر لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشا دیکھنے آیا۔ طاہر یہ کہہ کر اپنی کاروائی کی داد چاہتا تھا کہ ”یہ خلیفہ معزول کا سر ہے۔“ طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر الفاظ میں نامہ فتح لکھا ”میں امیر المومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں۔“ دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھ کر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور خوشی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدہ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دیئے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام اراکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر[1] ہوئے۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں نامہ فتح پڑھا اور ہر طرف سے مبارک مبارک کا غل اٹھا۔

---

[1] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر زمانہ میں تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہے اور نجوم کے قاعدے کے موافق تخت نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہے۔ چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں اس کے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دیئے ہیں۔ میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا۔

اگرچہ اس وقت اتنی خوشیاں منائی گئیں مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت بے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس فتح کا نہایت افسوس ہوا اور طاہر کی تمام کوششیں اس کی نظر میں بے قدر ہو گئیں۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھیں کہ ایک خواص نے آ کر کہا ''حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کر دیے گئے۔'' زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں۔ اس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لیں۔ زبیدہ نے کہا۔ **لاام لک ماالنساء و طلب الدعاء** پھر مامون کو یہ خط لکھا۔

لک ماالنساء و طلب الدعاء پھر مامون کو یہ خط لکھا۔

وللملک المامون من ام جعفر　　الوارث اعلم الاولین وفہم[1]

ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم و فہم کا وارث ہے۔

الیک ابن عمی من جفون و محجر　　کتبت و عینی مستھل وموعھا

اے ابن عم میں تجھ کو لکھ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں۔

وارق عینی یابن عمی تفکر　　وقد مسنی ذل وضر کابۃ

مجھ کو ذلت اور اذیت دہ رنج پہنچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا۔

---

[1] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خود خزیمہ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور صاحب عقد الفرید نے ابوالعتاہیہ کی طرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲۰)

اتی طاھر لاطھر اللہ طاھراً   فما طھر فیما اتی بمطھر

یہ طاہر کا کیا ہوا ہے جس کو خدا طاہر نہ کرے اور جو کچھ اس نے کیا اس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا۔

فاخرجنی مکشوفۃ الوجہ حاسدًا   وانھب اموالی واحزب ادوری

اس نے مجھ کو برہنہ سر اور بے پردہ کیا گھر سے نکالا اور میرا مال لوٹ لیا اور مکانات برباد کیے۔

یخر علی ھارون ماقدقیۃ   ومامعربی من ناقص الخلق اعور

اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھ پر گذرا ہارون ہوتا تو اس پر گراں گزرتا۔

فان کان مابدی بامر امرتہ   صیرت لامن من قدیر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر میں کرتی ہوں۔

مامون یہ اشعار پڑھ کر رویا اور کہا ”واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لوں گا۔“

امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا۔ مسجد جامع میں جمعہ کی نماز پڑھائی اور خطبہ میں مامون کی مدح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں شنبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا ۲۸ برس کی عمر تھی ۴ برس ۷ مہینے ۱۸ دن خلافت موزوں اندام۔ کشیدہ قامت نہایت خوبرو اور قوی تن تھا۔ کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح و بلیغ اور سخن سنج تھا۔

لطیفہ

امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ زبیدہ خاتون نے ابونواس سے کہہ دیا تھا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے۔ ایک دن امین نے زبیدہ کے سامنے ابونواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سنائے مگر جب ابونواس نے ان میں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں تو وہ نہایت غصہ ہوا اور اسی جرم میں اس کو قید کر دیا۔ چند روز کے بعد جب ہارون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا اور ابونواس کو قید سے رہائی دی۔ اس کے بعد ایک موقع پر ہارون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات کے اظہار کو سنائے۔ امین نے دو ہی تین شعر پڑھے ہونگے کہ ابونواس اٹھ کھڑا ہوا۔ ہارون نے پوچھا "کیوں کہاں چلے۔" ابونواس نے کہا "پھر قید خانہ۔"

امین میں جہاں سینکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں علم دوست تھا۔ فیاض تھا۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا۔

ہزاروں اہل فن اس کے خوان کرم سے فیض یاب تھے۔ عام ملک پر شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اس کی فوج و حشم ناز و نعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا۔ شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اس کا مرثیہ لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اس کو سن کر ضبط کا

دعویٰ کر سکتا ہے۔ ابو عیسیٰ کے دو شعر کس دل سے نکلے ہو نگیں کہ نشتر کا کام دیتے ہیں۔

لست ادری کیف ابیک ولا کیف اقول
میں نہیں جانتا تجھ پر کیوں روؤں اور کیا کہہ کر روؤں
لم تطب نفسے اسمیک قتیلا یاقتیل
اے مقتول دل کو گوارا نہیں کہ تجھ کو مقتول کہوں

ایک شاعر نے لکھا ہے۔

سالت الندای والجود مالی اراکما   تبدلتما غرا بذل مربه
ومالی اری بیت المکارم واهیا   فقالا اصبنا بالامین محمد
فقلت فهلا حتما بعد فقده   وقد کنتما خدنیه فی کل مشهد
فقالا اقمنا کی نحدی بفقده   صبیحة یوم ثم نتلوه فی غد

یعنی۔ میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اس کے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس لئے ٹھہر گئے کہ اس کے مرنے کا ہم کو پرسا دیا جائے پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

مامون کی خلافت ۱۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۱۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کے لئے بیعت کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، مامون نے گو عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت اسی کے پنجۂ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزوں طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کی یہ قدردانی کی کہ اس کے تمام ممالک منقولہ یعنی کوراجبال فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا۔ طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مامور ہوا جو امین کے خیرخواہوں میں تھا اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی ۱۹۹ھ میں حسن بغداد داخل ہوا اور ہر شہر وصوبے پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے اصلی باعث یہی لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں یہ باتیں ان کو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں کہ عجم پھر دوبارہ محیط نہ ہو جائیں کیونکہ فضل بن سہل وحسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے۔ اب مامون سے دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم اور افسران فوج زیادہ بے

دل ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگوں کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا۔ مامون خود پردے میں رہتا ہے اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے ہاتھ سے سرانجام پاتے ہیں چونکہ مامون ماں کی طرف سے عجمی الاصل تھا۔ یہ بدگمانی کہ رفتہ رفتہ اہل عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جائیں گے زیادہ قوی ہوتی گئی۔ اور اب بالآخر اس کی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ابن طباطبا کا خروج سنہ ۱۹۹ھ

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علویین کے خیالات خلافت تازہ ہو گئے۔ اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبداللہ محمد تھے اگرچہ ان کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لئے کافی تھا مگر ملکی نظم و نسق کے لئے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابو السرایا کی شرکت سے پولیٹکل بازو بھی قوی ہو گیا۔ یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا اور کرایہ کے گدھوں سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اس نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارت گری کرتا رہا۔ عین التمر و دقوقا انبار پر چڑھ گیا۔ عاملوں کو شکستیں دیں اور خزانے لوٹ لئے۔ رقعہ پہنچا تو یہیں ابن طباطبا سے ملے جو خلافت کے دعویدار بن کر اٹھے تھے۔ ابو السرایا کو بھی مشغلہ ہاتھ آیا۔ اس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور

[illegible]

ان سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھیے میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کوفہ پہنچ کر اس نے پہلے قصر العباس لوٹا۔ یہ ایک شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال۔ خزانہ۔ دفتر یہیں رہتا تھا۔ اس لوٹ میں بے شمار نقد و اسباب ہاتھ آیا جو ایک مدت سے جمع ہوتا آیا تھا۔ شہر پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اطراف سے بھی جوق در جوق لوگ آئے اور ابن طباطبا کے ہاتھ بیعت کی۔ ۱۹۹ھ حسن بن سہل نے زہیر ابن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طباطبا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکہ آراء ہو گئیں۔ زہیر کو شکست ہوئی اور ابو السرایا کے حکم سے جس قدر نقد اسباب زہیر کی فوج میں تھا لوٹ لیا گیا ابن طباطبا نے یہ بے رحمی پسند نہ تھی اور لوگوں کی غارتگری سے منع کیا۔ ابو السرایا نے یہ دیکھ کر کہ ان کے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے دوسرے دن ابن طباطبا کو زہر دلوایا اور برائے نام ایک کمسن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طباطبا کا ہم پلہ تھا خلیفہ قرار دیا اور خلیفہ کا نام محمد بن زید علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عبدالقدوس چار ہزار سوار کے ساتھ اس مہم پر بھیجا مگر بدقسمتی سے اس معرکہ میں بھی جو ۱۷ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عبدالقدوس خود مقتول ہوا اور باقی اہل لشکر کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ زندہ گرفتار ہوئے۔ اس فتح نمایاں کے بعد ابو السرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ خطبہ جاری کیا اور بصرہ۔ واسطہ۔ اہواز۔ یمن۔ فارس۔ مدائن پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے۔ یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ ان کی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی آسانی سے ان کو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا جتنے نامور افسر تھے سب نے ابوالسرایا کے مقابلے میں شکست کھائی یا عین معرکہ جنگ میں لڑ کر مارے گئے۔ طاہر ذوالیمینین و ہرثمۃ اعین صرف دو ایسے جنرل تھے جو ابوالسرایا کا زور گھٹا سکتے تھے مگر طاہر نصر سے شکست کھا کر رقہ میں گویا محصور تھا اور ہرثمۃ خود حسن سے ناراض ہو کر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا۔ حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا اگرچہ موجب عار تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی اطمینان تھا کہ وہ اس درخواست کو منظور کرے گا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمۃ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمۃ خراسان سے واپس پھرا اور کوفہ کو روانہ ہوا۔ قصر بن ہبیرہ کے قریب ابوالسرایا سے مقابلہ ہوا۔ ہرثمۃ نے فتح قطعی حاصل کی۔ ابوالسرایا بھاگتا ہوا کوفہ پہنچا۔ سادات یا علویین جو اس کے ساتھ تھے ہرثمۃ نے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے۔ کوفہ میں جس قدر آل عباس اور ان کے خدم و حشم تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد کر دیئے۔ جاگیریں لوٹ لیں اور دل کھول کر غارت گری کی۔ ہرثمۃ نے ایک مدت تک کوفہ کا محاصرہ قائم رکھا۔ بالآخر ۱۶ محرم ۲۰۰ھ کو ابوالسرایا کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور سوس کے مضافات خوزستان ایک مقام میں ٹھہرا۔ حسین بن علی مامونی جو اس علاقہ کا عامل تھا اس زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ یہ خبر سن کر خوزستان کو واپس آیا اور چونکہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا ابوالسرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہمارا علاقہ چھوڑ کر اور جدھر چاہو چلے جاؤ" غالباً ابوالسرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا اور کہلا بھیجا کہ "میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے اس کا ثبوت تلوار دے سکتی ہے۔"

لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابوالسرایا کے خلاف ہوا۔ تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو کر گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلولا گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ تو یوں فرد ہوا۔ مگر ابوالسرایا نے ابتدا میں اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال مقرر کیے تھے چونکہ اکثر علوی یا فاطمی تھے اس لئے ابوالسرایا کے قتل نے ان کی خودسری میں کوئی فرق نہیں پیدا کیا۔ ان لوگوں نے اپنی دور روزہ حکومت میں جو ظلم و زیادتیاں کیں ان کے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیے۔ زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ سینکڑوں خاندان تباہ کر دیئے۔ عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلائے۔ حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ تک لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کے لئے عرب کے چند فرمانروا بن گئے تھے۔ علویین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ کے عامل تھے اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے۔ لڑے اور شکست کھائی۔ بعض گرفتار ہو کر امامون کے پاس حاضر کیے گئے مگر اس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر اعتراض کے لئے قلم اٹھاتے ہیں وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹیکل ضرورتوں کا اندازہ داں ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علویین کو دو دن کے لئے زور ہو گیا تو ملک

میں کیا قیامت برپا ہوگئی! عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا اسی ضرورت سے ہوا۔

ہرثمہ کی قتل اور بغداد کی بغاوت

سنہ ۲۰۰ھ

سادات اور علویین کی بغاوتیں تو فرو ہوگئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضگی پھیلی تھی۔ وہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کا دارالخلافہ ہونا گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل وحسن ممتاز تھے جو عجمی النسل تھے۔ اہل عرب کو صاف نظر آ رہا تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پر اسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے۔ مامون اس وقت تک حکومت کی حیثیت سے گویا بالکل معطل تھا۔ سیاہ وسفید کا مالک فضل تھا اور اس نے دانستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قائم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا ملک میں یہ کچھ برہمی پھیلی ہوئی تھی لیکن فضل کو ان حالات کی خبر تک نہ ہونے دی۔ مامون کے کانوں میں جو یہ صدا جہاں سے پہنچی تھی وہ فضل کی صدا تھی۔

افسران فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علویین کی پرزور بغاوتوں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اس کے اور بہت سے حقوق تھے جن کے اعتماد پر اس نے یہ جرأت کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ

دے۔ ابوالسرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اس نے خراسان کا ارادہ کیا۔ فضل نے یہ خبر سنی تو مامون کے متعدد فرمان اس کے نام بھجوائے کہ ”جہاں کچھ ضرورت نہیں۔ شام وحجاز انتظام طلب ہیں۔ ادھر کا قصد کرو مگر ہرثمۃ نے جس کو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا۔ ان احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا فضل نے مامون سے کہا۔ حضور نے دیکھا! ہرثمۃ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے لیکن حضور خود خیال فرمادیں ملک پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ہرثمۃ ذیقعدہ سنہ ۲۰۰ھ میں مرد پہنچا اور اس سے کہ شاید اس کے آنے کی خبر مامون سے مخفی رکھی جائے نقارہ بجانے کا حکم دیا۔ مامون نے درباریوں سے پوچھا کیسا غل ہے؟ لوگوں نے کہا ”ہرثمۃ جو گرجتا آرہا ہے۔“ ہرثمۃ دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے۔[1] چند روز کے بعد اس کو فضل نے قتل کرادیا اور مامون سے کہہ دیا کہ اپنی موت مر گیا۔ ہرثمۃ کے قتل کی خبر بغداد پہنچی تو ایک طلاطم مچ گیا۔ محلہ حربیۃ والوں نے پہلے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال وحکام برطرف کر دیئے گئے تھے۔ اس سوزش انگیز خبر نے سارے شہر میں ایک نئی ہلچل ڈال دی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمۃ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اس کی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا واسطہ میں مقیم تھا۔ محمد بن ابی خالد اس کے مقابلے کے لئے سنہ ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا۔

---

[1] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمۃ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا ”آپ نے ابن مجوسی (یعنی فضل بن سہل) کو سر چڑھا رکھا ہے۔“ مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اس کو دربار سے نکلوا دیا۔ ۱۲

راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکست کھا گئیں۔ محمد دیر العاقول پہنچا اور زہیر بن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا گرفتار کر کے پابزنجیر بغداد بھیج دیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے۔ حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج ان کے مقابلہ کو روانہ کی۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۲۰۱ھ میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اٹھائے تھے۔ اس لئے مجبورانہ بغداد کی طرف الٹا پھرا۔ حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے اور بالآخر بغداد پہنچ کر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند عیسیٰ باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو لکھا کہ اگر میرا باپ نہیں رہا تو میں اس کا نعم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کرا دوں گا۔ تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اس کی حکومت تسلیم کی۔ اگرچہ حسن کی قاہر فوجوں نے عیسیٰ اور اس کے بھائی ابوزنبیل کو فاش شکستیں دیں لیکن یہ جوش صدا کہ "مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کر سکتا" پست نہ ہوئی۔

حضرت علی رضا کی ولیعہدی ۲ رمضان ۲۰۱ھ

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اسکے کان پر جوں نہ چلی۔ ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہوگیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب اس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کر دیا۔ مامون کی بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پرزور بغاوتیں جو اس کے عہد میں ہوئیں اسی مقدس خاندان کی افسری میں ہوئیں تاہم اس نے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی ان کی عظمت نسب کا لحاظ رکھا۔

اس زمانہ میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے۔ جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا اس سے پہلے ۲۰۰ھ میں اس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانہ خلافت میں حاضر ہوں۔ عیش و دولت کی ترتیب کا اثر دیکھو کہ نویں ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار زن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے ان کا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے برس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثناء میں مامون نے اپنے خاندان

کے ہر ایک شخص کو تجربہ امتحان کی نگاہ سے دیکھا اور قطعی رائے قائم کر لی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گراں سنبھال لے۔ اب سنہ ۲۰۱ھ میں اس نے ایک بار دربار (جس میں تمام اعیان سلطنت و اراکین دربار موجود تھے) منعقد کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں میں ان کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں نہ میں اور نہ ہی آلِ نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا جو فرقہ سادات کا امتیازی نشان تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیر المومنین مامون کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں اور ان کا لقب الرضا من آل محمد ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ ان کے لئے بیعت عام لیجاوے اور عموماً اہل فوج و عماد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ وقبا استعمال کریں۔ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل ڈال دی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ بعضوں نے بجز اس حکم کی تعمیل کی مگر عام صدا یہی تھی کہ ”خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی“۔

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی یکم محرم سنہ ۲۰۲ھ

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولی عہدی کے احکام بغداد میں پہنچے عباسیوں نے اسی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تھی۔ ۲۵ ذی الحجہ روز سہ شنبہ سنہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی۔ پھر دو شخص مقرر کئے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص بخطاب عام کہے کہ "مامون کے بعد ابراہیم کو ولی عہد خلافت قرار دینا چاہتے ہیں۔ دوسرا برابر سے بولے کہ مامون تو معزول ہو چکا۔ خلیفہ وقت ابراہیم ہے اور ولی عہد خلافت اسحاق بنک الہادی۔ غالباً اس طریقہ سے عباسیوں نے رضامندی عالم کا اندازہ کرنا چاہا مگر ان کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگوں کو عام ہمدردی نہیں ہے چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہ پڑھی اور مسجد سے چلے گئے تاہم سندی و صالح کی کوشش نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہنچا دیا اور یکم محرم سنہ ۲۰۲ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت۔ ابراہیم نے اپنا لقب "مبارک" اختیار کیا۔ اس زمانہ میں قصر بن ہبیرۃ حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید مامور تھا۔ اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرف دار تھا مگر اس کے ساتھ جتنے افسر تھے خصوصاً

سعید و ابوالبط ابراہیم سے مل گئے ان لوگوں نے ادھر تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلاف ابراہیم سے خط و کتابت رکھتا ہے ادھر ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر بن ہیرۃ پر قبضہ کرادیں۔ حسن نے گو ان تحریروں کا چنداں اعتبار نہیں کیا تاہم اس کو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کے لئے حمید کو اپنے پاس بلالیا۔ ابراہیم نے موقع پاکر عیسیٰ بن محمد کو بھیجا جس نے ۱۰ ربیع الثانی کو قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ حاصل کیا اور حمید کا اسباب و خزانہ جس میں نقد کی قسم سے سو توڑے تھے غارت عام میں آیا۔ حمید نے یہ خبر سنی تو کوفہ کو واپس آیا۔ یہاں حضرت علی رضا کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے۔ حمید نے انکو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنی ہاتھ میں لیں تو تمام کوفہ آپ کے ساتھ ہوگا اور میں تو جان نثاری کے لئے حاضر ہوں۔ حمید نے لاکھ درہم بھی انکی نذر کئے اس کے بعد وہ حسن کے پاس واپس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا مگر جن لوگوں کو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا انہوں نے حسن سے کہا: ''اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت کر لی جاوے تو ہم بدل موجود ہیں لیکن بیچ میں مامون کا واسطہ ہوگا تو ہم سے امید نہ رکھنی چاہیئے۔'' چونکہ ان کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی یہ لوگ ناراض اٹھے اور بالکل بے تعلق ہوکر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید ابوالبط کو متعین کیا جنہوں نے حال میں اپنی کارگزاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ دلایا تھا۔ یہ دونوں افسر قریہ شاہی

میں پہنچے تو عباس نے اپنے چچیرے بھائی علی بن محمد کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دوسری جمادی الاول ۲۰۲ھ کو دونوں حریف معرکہ آراء ہوئے۔ علی بن محمد نے ذرا دیر لڑ کر شکست کھائی۔ اب ابوالبط و سعید کوفہ پر حملہ آور ہوئے۔ آلِ عباس جو یہاں موجود تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

نہایت سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی جے پکارتے تھے اور نعرے مارتے تھے کہ "مامون کی حکومت نہیں رہی" تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی آگ لگا کر غارت کر دیا۔ رؤسائے کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوئے اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں کو لے کر کوفہ چلے جائیں۔ فریقین نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور کوفہ دونوں دعوے داروں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی خیرہ کو واپس چلا گیا کوفہ اور اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہو گئی لیکن یہ فتحیں خلافت کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہ تھیں کیونکہ ہنوز واسطہ میں حسن بن سہل ایک فوج گراں کے ساتھ موجود تھا ابراہیم نے اس بڑی مہم کے لئے عیسیٰ کو منتخب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خادم کو بھی حکم ہوا کہ عیسیٰ کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کوفہ کی فتح سے آتے تھے ساتھ ہوئے غرض بے شمار لشکر واسطہ کے قریب نام صیادۃ میں صف آراء ہوا۔ حسن بن صباح قلعہ بند ہوا۔ عیسیٰ چند بار حملے کی غرض سے حسن کے لشکر گاہ کی طرف گیا مگر اس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی اور حکم دے دیا تھا کہ لشکر

کا کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے۔ غالباً اس مدت میں اس نے عیسیٰ کی قوت کا اندازہ کیا بالآخر ۲۶ رجب کو فوج اس کے حکم سے عیسیٰ پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز معرکہ رہا۔ عیسیٰ نے شکست کھائی اور طرنایا پہنچ کر دم لیا۔

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا تاہم اس کو معلوم نہ ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ ابتداء میں تو حسن بن سہل کی گورنری کا جھگڑا تھا لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے، حضرت علی رضا کی ولی عہدی پر قائم تھے۔ درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدا نہ پہنچائی تو خود حضرت علی نے اس فرض کو ادا کیا انہوں نے مامون سے کہا کہ ”امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا۔ رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں۔ اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے۔ ایک یہ بالکل نئی اور غیر مانوس صدا تھی۔ مامون دفعتاً چونک پڑا اور جیسا کہ ذوالریاستین نے اس کو یقین کرا دیا تھا اس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے بلکہ لوگوں نے انتظاماً اس کو نائب الریاست بنا رکھا ہے۔ حضرت علی رضا نے فرمایا کہ ”ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپ کی نظر سے چھپا دیئے اور اب آپ جو کچھ کہتے ہیں اسی کی

زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جس کو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے اور آل عباس میں عموماً ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولی عہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے۔ (مامون) دربار میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف نہیں۔ علیؑ رضا ہاں۔

یحییٰ بن معاذ و عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جو کچھ حضرت علی فرماتے ہیں تم اس کی نسبت کیا جانتے ہو۔ ذوالریاستین کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی مگر جب مامون نے خود ذمہ داری لی کہ ذوالریاستین ان کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھ دی تو ان لوگوں نے پوست کندہ حالات بیان کر دیئے اور کہا کہ ہرثمہ انہیں باتوں کی عرض کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا مگر ذوالریاستین نے ایسے جان نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا اور اس کی تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ان لوگوں نے مامون کو یہ بھی بتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہیں کی جاتی تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنی شہادت میں یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دارالخلافہ میں تشریف رکھنا ان سب مشکلوں کا حل کر دے گا۔ مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اس نے بآسانی معلوم کر لیا کہ مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے۔ اس نے تمام افسروں کے نام بھی تحقیق کر لئے اور حضرت علی رضا کے سوا (جن پر اس کا قابو نہیں چل سکتا تھا یا پاس ادب مانع تھا باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی

اذیتیں پہنچائیں۔ کسی کو قید کیا، کسی کو کوڑے پٹوائے، کسی کی داڑھی اکھڑوائی، اس پر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھ باز پرس نہ کر سکا۔ اور جب حضرت علی رضا نے اس کا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ میں غافل نہیں ہوں مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہوں۔

مامون جب سرخس پہنچا تو چند آدمیوں نے جن کا پیشوا خالد مسعودی تھا حمام میں پہنچ کر جمعرات کے دن ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کر دیا۔ یہ عجب بات ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل میں شریک تھے سب مختلف اور دور ملکوں کے رہنے والے تھے یعنی قسطنطین، روم کا فرج ویلم کا، موفق صقلیہ کا۔

مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلوں کو گرفتار کر کے لا دے اس کو دس ہزار اشرفیاں ملیں گی۔ عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کیے گئے اور پوچھا گیا کہ کس کے ایما سے تم نے ایسا کیا تو سب نے خود مامون کا نام لیا اور اس بے باکی پر یا اس جرم کی پاداش میں مامون کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشخاص جن پر شبہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ جانتے ہو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ مامون نے ان لوگوں کو بھی قتل کرا دیا۔ گو تمام واقعات شہادت دے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہ میں بدل دیا کہ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بجھوائے اور نامہ تعزیت میں بہت کچھ رنج و غم ظاہر کیا اور لکھا کہ "تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیے

گئے۔ ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دے کر کہا کہ آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں۔ ان موثر فقروں نے اس کو اور بھی بے تاب کر دیا اور رو کر کہا کہ ''ایسے بیٹے کا کیوں نہ غم کروں جس نے میرے لئے تم جیسا فرزند چھوڑا۔'' ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اس کے بھائی سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ہلکی نہ ہوئی تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی اور کم سے کم اتنی بات ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اس نے فراموش نہیں کیا ہے اور اس کے خاندان کے ساتھ اب بھی اس کو وہی ہمدردی ہے جو پہلے تھی۔ ذوالرایاستین کی موت نے یوں تو اس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہنچایا مگر اس کے بھائی حسن نے اس واقعہ کے بعد سے ایک دن رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی اور بالآخر اسی صدمہ نے اس کو مختل الحواس کر دیا۔ سنہ ۲۰۲ھ میں اس کے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ مامون نے اس کی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا یاد رکھنا چاہیے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل فضل کے قتل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا کی وفات آخر صفر ۲۱۳ھ

اس سفر میں حضرت علی رضا بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہنچ کر دفعتاً استقلال فرمایا کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام تھا۔ حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اکھڑوا کر حضرت علی رضا بھی اسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا “اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں؟ تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روٹی ونمک روزانہ اس کی خوراک رہی۔[1]

اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ما ینفع الرجس من ترب الذکی ولا
علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی) ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے۔

---

[1] ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت علی رضا کی تجہیز و تکفین میں شریک تھا۔ میں نے ابن واضح کی تاریخ سے اس کو نقل کیا ہے۔ ۱۲

یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ "حضرت علی رضا کو کس ایما سے زہر دیا گیا۔" مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھا دیا ہے۔ **شیعہ** بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ "خود مامون نے زہر دلوایا۔" افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سنیوں کی ہی تصنیفیں ہیں اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو معلوم ہے کہ ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرات نہیں کی ہے بلکہ علامہ بن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے ہم اس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اس نے مامون کی بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولی عہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اس سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کا طریق بیعت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور

واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز واقعات بتادیں گے کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولی عہدی سے ناراض تھے انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی۔

حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشر میں ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ بہت بڑے عالم اور اتقائے روزگار میں سے تھے۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابونواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں انکی شان میں دو شعر بھی نہ کہے اس نے کہا ’’ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔‘‘ چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات سے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ ’’اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو‘‘ مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا۔

ابراہیم کی معزولی سنہ ۲۰۳ ہجری

مامون جس زمانہ میں بغداد روانہ ہوا تھا تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسیٰ بن محمد و مطلب بن عبداللہ وغیرہ افسران فوج اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اسی وقت تک ہے جب

تک مامون بغداد سے دور ہے۔ جب اس کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ مطلب بیماری کا بہانہ کر کے مدائن سے چلا آیا اور بغداد میں لوگوں سے خفیہ مامون کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ خود منصور بن المہدی ابراہیم کے بھائی نے اول بیعت کی۔ مطلب نے علی بن ہشام وحمید ک وبھی لکھا کہ بغداد چلے آؤ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے رخصت ہو کر ۱۵ صفر ۲۰۲ھ کو زندرد و پہنچا اور جن لوگوں نے مامون کے لئے بیعت کی ان کو طلب کیا۔ جن میں سے منصور وخزیمۃ حاضر ہو گئے اور ان کا قصور معاف ہو گیا لیکن مطلب کو اسی کے خاندان نے روکا کہ ''اپنی بات پر قائم رہنا چاہئے۔'' ابراہیم نے اذن عام دے دیا کہ ۱۷ صفر کو مطلب کا گھر بار لوٹ لیا جاوے۔ حمید وغنی بن ہشام بن ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے۔

ابراہیم کا نہایت نامور افسر عیسیٰ بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال ۲۰۲ھ میں باب الجبر پر اس نے یہ اعلان دے دیا کہ میں اس معاملہ میں دونوں فریق سے الگ رہوں گا اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اس کی طلب کے لئے متعدد قاصد بھیجے بڑے اصرار سے آیا تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیض میں آ کر اس کو قید خانے بھیج دیا اور اس کے چند افسرو اعزہ کو بھی سزا دی۔ عیسیٰ ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا اور بہت سے نامور افسر اس کے ساتھ تھے۔ اس کے قید ہوتے سے سب کو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس جو عیسیٰ کا خلیفہ خاص تھا اس نے اپنی پرجوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنا دیا۔ جسر و کرخ وغیرہ پر ابراہیم کے

جو عامل تھے اب نکال دیئے گئے اور حمید نہر صرصر پہنچ کر ٹھہرا۔ عباس اور تمام افسران فوج اس کے استقبال کو گئے یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ میں مامون کا خطبہ پڑھا جاوے اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے۔ حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا مگر انعام کی تعداد میں اس لئے اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا کہ کیونکہ علی بن شام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اس وقت ہم کو چالیس دلائے جاویں تا کہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے۔ عیسیٰ نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑھا کر ساٹھ کر دیا جس کے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع ہو گیا۔

ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسیٰ کو قید سے رہائی دے کر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پر جاوے عیسیٰ نے ایک سازشی حملہ کیا اور وسط فوج میں گھس گیا جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اس نے جان تک کی پرواہ نہ کی لیکن فوج نے اس کی دلی خواہش کے مطابق زندہ گرفتار کر لیا۔ ابراہیم نے باقی ماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا۔ یہ اس کی اخیر کوشش تھی لیکن اب وہ بھی کامیاب نہ ہوا۔ اخیر ذیقعد سنہ ۲۰۳ھ میں جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ تاریخ بدھ کی رات سنہ ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا آخری صفحہ تھا۔ جس دن اس نے تبدیلی لباس کی اور کہیں غائب ہو گیا۔ ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے اور بارہ دن کی عمر پائی۔

مامون کا بغداد میں داخل ہونا

صفر ۲۰۴ھ

مامون قریباً رجب ۲۰۲ھ میں مرد سے روانہ ہوا اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہنچا۔ اس کا یہ سفر ایک طرح کا ملک کا دورہ تھا جس میں اس نے حالات تک سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہروں میں مناسب انتظامات کیے۔ نہروان پہنچا تو بغداد کے تمام اعیان و عمائد وافسران فوج بڑے جوش سے اس کے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الحسن بھی جس کو مامون نے رقبہ سے طلب کیا تھا یہیں باریاب حضور ہوا۔ نہروان میں آٹھ دن قیام کر کے مامون بغداد کو چلا اور ۵ صفر ۲۰۴ھ میں بڑی شان وشوکت سے دار الخلافہ میں داخل ہوا۔ جہاں ایک مدت سے ہزاروں نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ مامون اور اس کے تمام افسر سبز لباس میں تھے۔ اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے مامون کے دربار میں آئے مگر عام خواہش اس کے خلاف تھی۔ لوگ آرزومند تھے کہ ان کی آنکھیں عباسیہ حکومت کو اس کے اصل لباس میں دیکھیں۔ چنانچہ جب مامون نے طاہر شاہ کو بلا کر اس کی کارگزاریوں کا صلہ دینا چاہا اور کہا کہ ”جو مانگنا ہو مانگ“ تو اس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آلِ عباس کی یہ آرزو پوری کر دی جائے۔ مامون نے یہ معقول درخواست قبول کی۔ اس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا اور طاہر ذوالیمینین و تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت فرمائے۔ ۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے اور اس دن گویا عملی اعلانِ عام دے دیا

گیا کہ "اب تمام اسلامی دنیا میں آل عباس کی حکومت تھی۔"

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا، سنہ ۲۰۵ھ

اس حکومت عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جس کی دارالخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتہی ہوتی ہے نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر مامون کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ مامون بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا بے تکلفی میں اس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کیے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی طاہر نے باداب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے۔" مامون نے کہا کہ "یہ قیدیں دربار عام کے لیے مخصوص ہیں۔ بے تکلفی کے جلسوں میں اس قسم کی قواعد کی پابندیاں ضروری نہیں۔" طاہر آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔ مامون نے اس کی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جس کا حضور رنج کر سکتے ہیں؟ مامون نے کہا "کچھ ایسی بات ہے جس کے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اس وقت تو خاموش ہو رہا مگر دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آخر بات کیا ہے۔ حسین جو مامون کا ساقی اور ندیم خاص تھا۔ طاہر نے اس کو دو لاکھ درہم نذر بھیجے اور درخواست کی کہ اس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کر دے۔ حسین نے موقع پا کر

پوچھا۔ مامون نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اڑا دوں گا۔ سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے تو بھائی امین کا ذلت و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے۔ "میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہنچے گا۔" طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا (جو حسن ابن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا) اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مامون کی آنکھ سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اس کا ذمہ لیا اور دوسرے دن صبح کے وقت مامون کے پاس ہوا چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی (مامون نے پوچھا) کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہے (احمد) حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔ (مامون) آخر کیوں؟ (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان کو دی جس کے ساتھ مٹھی بھر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا غسان ان کو روک سکے گا؟ (مامون) یہ خیال تو مجھ کو بھی تھا اچھا تم کس کو تجویز کرتے ہو۔ (احمد) طاہر ذوالیمین سے بہتر کون شخص انتخاب ہو سکتا ہے۔ (مامون) اس کے خیالات تو باغیانہ ہیں اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے۔ (احمد) اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ (مامون) اچھا تم اپنی ذمہ داری پر مقرر کر دو۔ طاہر طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنروں کو ملتے تھے عطا ہوئے۔ طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹ ذیقعد ۲۰۵ھ کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اس کے بعد صاحب الشرطہ مقرر ہوا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں

اس کی ذاتی لیاقتوں میں مصری گورنری پر پہنچا دیا۔ تقرر کے وقت مامون نے اس کو اپنے سامنے بلا لیا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اس سے کم کہا جس کے تم دراصل مستحق ہو۔" طاہر نے یہ مژدہ سنایا تو بیٹے کو نہایت مفصل خط لکھا جو آئین حکومت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہِ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستوارالعمل تھا۔ یہ خط اس قدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں خود مامون نے اس کی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین۔ تدبیر و رائے و سیاست و اصلاح ملک۔ و حفاظت سلطنت قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔

عبدالرحمٰن بن احمد کی بغاوت

سنہ ۲۰۶ھ

ان کی بغاوت نہ چنداں بے جا تھی نہ پُر زور تھی لیکن وہ اس لئے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے۔ یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہو گئے تھے۔ ان کو ایک صاحب اثر شخص سمجھ کر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ لیکن ایک معاہدہ امن بھی لکھ کر دے دیا کہ اگر عبدالرحمٰن قبول کر لے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں۔ زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہوا۔ اور معاہدہ امن عبدالرحمٰن کے

پاس بھیج دیا۔ عبدالرحمٰن نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں سے نہایت تنگ آ گیا تھا۔ اب اس نے ۲۸ ذیقعدہ ۲۰۷ھ کو حکم دے دیا کہ عموماً آلِ علی اپنا امتیازی لباس چھوڑ کر سیاہ لباس اختیار کریں اور آج سے دربار میں نہ آنے پاویں۔ مامون کو اس خاندان سے جو بے لاگ محبت تھی سیاست ملکی نے اس کو اس صورت میں بدل دیا۔ جس کی تاریخ ۲۸ ذیقعدہ سے شروع ہوتی ہے۔

ذوالیمنین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ مقامِ مرو۔

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ داری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دے دی تاہم وہ اس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوئے جب مامون سے رخصت ہونے گیا تو مامون نے ایک خاص غلام اس کے ساتھ کر دیا جس کی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اس کی کارگزاریوں کا صلہ ہے مگر درپردہ غلام کو ہدایت کی تھی کہ اگر طاہر کے خیالات بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دے دے۔ خراسان پہنچ کر غالباً طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا مگر مورخین اس کا ثبوت بجز اس کے نہیں پیش کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا کلثوم بن ثابت خراسان کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے گھر پر آ کر غسل کیا اور کفن پہن کر مامون کو

اس واقعہ کی عرضی لکھی۔ اس کو یہ یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اس حال سے خبر ہو گی اور وہ اس کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ اسی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہنچا کہ طاہر نے دفعتاً انتقال کیا۔ احمد کا جانا ملتوی رہ گیا۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو لوگ عبادت کے لئے گئے تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعضوں کا بیان ہے کہ پلکوں میں کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتاً گر پڑا اور مر گیا۔ [1]

مامون نے طاہر کے بعد اس کے بیٹے طلحہ کو خراسان کی حکومت دی۔ دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی معزز عہدے دیئے طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبداللہ ابن طاہر و عبیداللہ بن عبداللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور

---

[1] مصنف عیون الحدائق۔ کامل ابن خلدون۔ ابو الفداء۔ کسی نے نہیں لکھا کہ طاہر کیونکر مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اس بات سے بحث نہیں کرتے۔ صرف ابن خلکان ایک شخص ہے جس نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور چونکہ اس نے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہارون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے میں نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اسی سے لکھا ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ۔ طاہر ۱۲ منہ

باپ ہارون الرشید کی طرف نگاہ اٹھا۔ یہی کیا ثابت ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جس کی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا۔ لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اس کا ضروری فرض تھا تاہم اس کے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اسکی اولاد کو اس رتبہ پر پہنچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں ان کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اس نے کہا کہ ''خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلایا''۔ اس بات سے بھی یہ ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اس کو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اس کی رائے ان معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت
۲۰۸ سنہ ہجری

افریقہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گزر چکے تھے مگر عہد فتح سے آج تک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی لطاعت کا مادہ تھا اور قبائل عرب کے مل جانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے ان کی سرکشی اور پُر خطر اور تیز ہوگئی تھی یہاں کا جو خراج تھا وہ یہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بلکہ مصر کے خزانے سے اور پانچ

لاکھ روپے سالانہ منگوانے پڑتے تھے۔

۱۸۴ھ میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقہ سے ۴۰ ہزار دینار بطور خراج دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی اور پھر افریقہ کی گورنری اس کے خاندان کا موروثی ترکہ ہو گیا۔ چنانچہ مامون کے زمانہ میں جو شخص اس منصب پر ممتاز تھا وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تھا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تھا تین سو سوار دے کر بھیجا کہ دفعتاً تیونس پہنچ کر منصور کو گرفتار کر لائے لیکن محمد کے پہنچنے سے پہلے منصور کو خبر ہو گئی اور وہ طنبندہ چلا گیا۔ محمد کو تیونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ پند کا فسوں پھونک کر منصور کو مسخر کر لائیں مگر منصور ان سادہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تھا۔ اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ ''میں تو قدیم نمک خوار ہوں۔ آج کی رات آپ ماحضر قبول فرمائیں کل میں خود آپ کے ہمرکاب چلوں گا۔'' منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے اور فواکہ بھیجے اور لکھا کہ ''کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کروں گا۔'' محمد اور اس کی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اڑائے اور خوب شرابیں پیں۔ ہنوز خمار نہیں اترا تھا کہ دفعتاً طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان بدمستوں کو چونکا دیا۔ اٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا۔ محمد کی فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا مگر اعضاء قابو میں نہ تھے تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور

ساری رات لڑائی رہی محمد کی فوج بالکل قتل ہوگئی صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اس پار نکل گئے ٹیونس میں جو شاہی فوج تھی اس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر اس اندیشہ سے آئندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہوں گے یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجئے۔ اسمعیل کی قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار تھا اور ٹیونس کا عامل تھا یہ خواہش پوری کر دی گئی۔ ٹیونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روز افزوں ترقی کرتی رہی اور اس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اس کا مقابلہ کرے اس نے اپنے وزیر خاص غلبوں کو اس مہم کے لئے انتخاب کیا مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا اس میں غلبوں نے شکست کھائی اور فوج جو ساتھ تھی باغیانہ افریقہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلبون کو شکست دے کر منصور کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اس نے خود زیادۃ اللہ کی دارالحکومت قیروان کو جا گھیرا۔ ۴۰ دن تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر اخیر لڑائی میں جو ۱۵ جمادی الثانی کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سر و سامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا جو منصور کے خیال میں تھا چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے۔

زیادۃ اللہ نے اب ان سے انتقام لینا چاہا لیکن علماء اور فقہا بیچ میں پڑے اور اس کو اس ارادے سے باز رکھا تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کر دی گئی۔ اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا مگر اس کے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع دبا

لئے تھے ان میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا جس نے سبیہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ ۲۰۹ھ میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبداللہ اپنے ایک عزیز کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ ۲۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا۔ اس اثناء میں منصور نے دوبار قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تھی۔ اس کے اہل وعیال قیروان میں رہ گئے تھے اس نے پھر قیروان کا محاصرہ کیا۔ ۱۶ دن محاصرہ رہا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اہل فوج کے عزیز واقارب قیروان سے نکل آئے اور اپنے عزیزوں سے آکر مل گئے۔ منصور بھی ٹیونس کو واپس چلا آیا۔ افریقہ کے اکثر اضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ خود شاہی فوج جو منصور کے ساتھ ہوگئی تھی زیادۃ اللہ کو مغرورانہ پیغام کہلا بھیجا کہ ''جو تدبیر تم کو جانبر کرسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اس سعادت کے صلے میں ہم تمہاری جان سے کچھ تعرض نہ کریں گے۔'' چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر ۲۱۱ ہجری میں عامر جو منصور کا داہنا ہاتھ تھا خود منصور سے ناراض ہوگیا اور بالآخر اس کو قتل کرادیا۔ یہ محسن کشی بھی کچھ زیادہ نہ پھلا دو تین برس کے بعد قضا الی اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی حکومت بے خلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کردیا۔ اس نے کچھ بے جا نہیں کیا کہ ''اب لڑئی نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے۔''

نصر بن شیث کا گرفتار ہونا سنہ ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اور امین الرشید کا نہایت جاں نثار دوست تھا۔ محاصرہ کے زمانے میں تو امین کی کچھ مدد نہ کر سکا لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خانہ بدوش بدو بھی اس کے ساتھ ہو گئے اس نے حلب ویمسیاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک سخت جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی اور رقہ کو واپس گیا۔ سنہ ۱۹۹ھ میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضہ اقتدار میں آ گئے اور سنہ ۲۰۸ھ تک اس کی بغاوت شاہی قوت کی حریف مقابل رہی۔ سنہ ۲۰۴ھ میں جب طاہر رقہ سے چلا آیا تھا تو اس کا بیٹا عبداللہ اس مہم پر سوار ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی اس سلسلے میں کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ سنہ ۲۰۶ھ میں مامون نے محمد عامری کو نصر کے پاس بھیجا نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ "میں دربار میں حاضر نہ ہوں گا۔" مامون نے اس کی شرطیں قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتاً جھلا اٹھا اور کہا کہ "چند مینڈکوں (قوم زط[1]

---

[1] چونکہ قوم زط کی بغاوت کو مامون فرو نہ سکا تھا۔ نصر نے طعنہ دیا۔

پر جس کا زور نہ چل سکا۔ اس کے آگے عرب کے ہزاروں جان باز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں۔" لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اس کو اتنا تنگ کیا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار رکھ دیئے۔

ابن عائشه و مالك كا قتل اور ابراهيم كى گرفتارى سنه ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا گو مدت سے روپوش ہو گیا تھا لیکن اس کے قدیم رفقا اب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تخت خلافت دلائیں۔ مامون کو اس سازش کی بہت جلد اطلاع ہو گئی۔ اور صفر سنہ ۲۱۰ھ ہجری میں یہ سب گرفتار کر لیے گئے۔ ابن عائشہ و مالک اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ ان لوگوں نے ایک بڑی فہرست تیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ اور بہت سے لوگ اس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں لیکن مامون نے اس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ باغی قید خانے میں بھیج دیے گئے مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دیئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود جیل خانہ پہنچ کر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا۔ ابن عائشہ ہاشمی تھا۔ اس لئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اس کو سولی دی گئی لیکن اس کے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا کہ اب تک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اٹھائی تھی۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ[1] تھا۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ جب مامون عراق پہنچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اس نے میری گرفتاری کا اشتہار دیا میں نے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں۔ گرمی کے دن تھے اور ٹھیک دوپہر تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاؤں گا۔ گلی میں پہنچا لیکن اس کی دوسری طرف راستہ نہ تھا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ الٹا پھر سکتا تھا۔ اسی اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا جس کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا۔ میں نے بڑھ کر اسے التجا کی کہ "ذرا دیر کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟ اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور مجھ کو ایک کمرہ میں لے جا کر بیٹھایا۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا اور کواڑ بند کرتا گیا میری تازہ امیدیں پھر یاس سے بدل گئیں کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے میں اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اسی نے کواڑ کھولے اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ میں نے مسرت آمیز تعجب سے دیکھا کہ وہ گوشت دیگچی۔ کورے پیالے اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے اس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کیے اور کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی کہ "میں ذات کا حجام میری جرات نہیں کہ اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں اس لئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو پسند فرمائیں۔

میں نے خود کھانا تیار کیا اور خوب سیر ہو کر کھایا پھر اس نے مجھ

---

[1] ابراہیم ربیع الاول ۲۱۰ھ میں گرفتار ہوا۔ ۱۲ منہ

سے پوچھ کر شراب حاضر کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے بیٹھ جاؤں اور حضور کی تفریح خاطر کے لئے دور ہی سے دورِ شراب میں شریک ہوں۔ میں نے اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا ذرا دیر کے بعد وہ ایک نے اٹھالایا اور دست بستہ کہا کہ میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر معلوم کر لیا کہ میں اس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اس نے کہا "سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے۔"[1]

یہ سن کر میں حیرت زدہ ہو گیا اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور لے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدمست ہو گیا مزے میں آ کر خود بھی گانا شروع کر دیا اور اس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اٹھے۔ میں تمام خطرات کو یک لخت بھول گیا اور فرمائش کی کہ کچھ گاؤ اس نے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے۔

تعیرنا انہ قلیل عدیدنا
فقلت لہا ان الکرام قلیل

---

[1] اس قصے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ "مروج الذہب مسعودی خلافت مامون"

وہ ہم کو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے
میں نے اس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں

وانا لقوم ماانری القتل سیئة
اذا مارأتہ عامر وسلول

عامر و سلول قتل ہونے کو عیب سمجھتے ہیں،
لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے"

ان پُر اثر شعروں نے میرے ہوش وحواس بالکل کھو دیے اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہہ کر دینا چاہا کہ لو خدا حافظ۔ سردست یہ حقیر پیش کش قبول کرو خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدلی تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکوں۔" غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا "افسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں حقیر مخلوق ہے مجھ کو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی کیا میں اس کو درہم و دینار کے عوض بیچ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مقرر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کر دوں گا" میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں لیکن اس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ "میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن وامان کے ساتھ رہ سکیں گے کچھ دن اور صبر کیجئے یہ فتنہ فرو ہو لے تو حضور کو اختیار ہے۔" میں چند روز اور اس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیال سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہ سے گرانبار ہوا

جاتا ہے چپکے سے نکل کھڑا ہوا اور اخفائے حال کے لیئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجھ کو پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا "لینا مامون کا اشتہاری جانے نہ پائے۔" میں نے پوری قوت سے اس کو پرے دھکیل دیا۔ وہ ایک گڑھے میں جا پڑا اور بازار کے آدمی شور وغل سن کر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں فرصت پا کر بھاگتا ہوا اس پار جا پہنچا اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ درخواست کی کہ "میری جان بچالے۔ اس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت اسی سوار کی جورو نکلی جس نے میرا پردہ فاش کرنا چاہا تھا۔ ذرا دیر کے بعد وہ بے رحم سوار آ پہنچا۔ مکان میں گھسنے کے ساتھ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور بیوی کو الگ لے جا کر ساری داستان سنائی تاہم اس فیاض عورت نے مجھ کو آ کر تسکین دی کہ جب تک میں ہوں آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تین دن تک اس کا مہمان رہا۔ لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اس کو اطمینان نہ تھا چوتھے دن مجھ سے کہا "افسوس میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتی۔" مجبورانہ وہاں سے نکلنا پڑا۔ اس اضطراب میں مجھ کو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی میں سیدھا اس کے پاس اس کے مکان پر گیا مجھ کو دیکھ کر باہر نکل آئی اور روتی ہوئی آواز میں دریائی آنسوؤں سے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی پھر باہر چلی گئی۔ میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تحفہ وہ میرے لیئے بازار سے لائی وہ تو پولیس کے خونخوار سپاہی تھے۔ میں اس وقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہیئت میں گرفتار ہو کے مامون

کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ سامنے پہنچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ مامون نے کہا ''خدا تیرا برا کرے'' میں نے کہا ''امیر المومنین ذرا ٹھہر جا۔ میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن تقویٰ عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبہ سے فروتر ہیں۔'' اگر تو مجھ کو سزا دے تو تجھ کو حق ہے اور اگر بخش دے تو نوازش ہے پھر میں نے یہ اشعار پڑھے۔

ذنبی الیک عظیم
وانت اعظم منه
میرا گناہ بڑا ہے۔
لیکن تو اس سے بالاتر ہے
فخذ بحقک اولا
فاصفح بحکمک عنه
یا اپنا حق لے
یا اپنے حلم کی وجہ سے درگزر
ان لم اکن فی فعال
من الکرام فکنه
اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں
تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پرتاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ کی۔ میں نے چند اور شعر دردناک لہجہ میں پڑھے۔ اس کا دل بھر آیا اور ارکان دولت کی طرف

مخاطب ہوا کہ ''کیا رائے ہے۔'' سب نے متفق اللفظ کہا ''قتل'' مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت[1] کیا اور کہا تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اے امیر المومنین اگر تو بخش دے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے۔ مامون نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا۔

قومی هم قتلوا امیم اخی
فاذا رمیتهم یصیبنی سهی

میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا
میں اگر ان پر تیر چلاؤں تو مجھ ہی کو لگے گا

میں نے دفعتاً چہرے سے نقاب الٹ دی اور چلا اٹھا کہ ''اللہ اکبر۔ خدا کے قسم امیر المومنین نے بخش دیا۔'' مامون سجدہ میں گرا اور دیر تک سربسجدہ رہا۔ اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ ''چچا جان آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیوں سجدہ کیا میں نے عرض کیا کہ ''شاید میری اطاعت پر'' مامون نے کہا ''نہیں بلکہ اس بات پر کہ خدا نے مجھ کو عفو کی توفیق دی۔'' مامون نے پھر میری ساری داستان سنی اور غلام' عورت' کنیز کو طلب کیا غلام کا ہزار دینار سالانہ مقرر کیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا۔ لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا بلکہ الٹی سزا[2] پائی۔

---

[1] ابن واضح کاتب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ مامون ہی کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی۔

[2] دیکھو ثمار الاوراق برحاشیہ مستطرف صفحہ ۲۳۷ کامل ابن الاثیر۔ اغانی' ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔

مصرو اسکندریہ کی بغاوتیں سنہ ۲۱۰ ہجری

سنہ ۲۰۶ھ میں عبید اللہ سری مصر کا عامل مقرر ہوا تھا۔ اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ خود اعتمادی اور خود سری کا خیال پیدا کر دیا۔ طاہر کا نامور فرزند عبداللہ اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اس نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام متعین کر رکھے۔ عبید اللہ سری نے یہ خبر پا کر دفعتاً سردار پر چھاپہ مارا لیکن اس نے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قاصد دوڑایا کہ عبید اللہ کو جا کر خبر دے۔ عبد اللہ عین وقت پر پہنچا۔ عبید اللہ ایسا نادان تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا۔ سیدھا مصر کو واپس گیا اور شہر پناہ کے دروازے بند کروا دیئے۔ عبد اللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ بہت دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ عبید اللہ نے انجام کار پر غور کر کے سپر ڈال دی اور عبد اللہ کی خدمت میں گرانبہا تحفہ جس کو رشوت کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ارسال کیا۔ یہ بے بہا تحفہ جس میں ہزاروں لونڈی غلام اور ایک ہاتھ میں ہزار ہزار اشرفیاں تھیں قصداً رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبد اللہ نے صاف انکار کر دیا اور لکھ بھیجا کہ "اگر میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کر سکتا تو رات کو بھی مجھ کو انکار نہ ہوتا۔ خط کے اخیر میں قرآن مجید کی یہ پُر رعب آیتیں لکھیں۔

ارجع الیھم فلنا تینھم بجنودہ قبل لھم بھا

ترجمہ: تو ان کی طرف واپس جا۔ میں ایک ایسا لشکر لے کر ان پر آتا ہوں جس کا وہ لوگ سامنا نہیں کر سکتے۔

اس غضبناک خط نے تلوار سے بڑھ کر کام دیا۔ عبید اللہ نے مجبور ہو کر امان طلب کی۔ مصر سے تو اطمینان ہوا مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ عبید اللہ کے زمانہ بغاوت میں اسپین سے دولت بنی امیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہو گئی لیکن عبید اللہ کی آمد آمد نے ان کے حواس کھو دیئے اور امن کی طالب ہو کر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد سے یک لخت پاک ہو گئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

زریق کی بغاوت۔ اور سید بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ ہجری

زریق عربی النسل تھا۔ اور ۲۰۹ھ ہجری میں آرمینیہ و آذربائیجان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن باغی ہو گیا اور اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے اس کا سعید بن انس سے جو موصل کا لفٹنٹ تھا لیکن باغی ہو گیا معرکہ ہوا۔ مگر فتح نہ حاصل کر سکا ۲۱۱ھ میں زریق نے ایک فوج کثیر تیار کی جو کم و بیش چالیس ہزار تھی۔ ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تھا اور لاکھ درہم سالانہ فقط اس بات کے پاتا تھا کہ اس نے سید کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ قسم کھائی تھی کہ جب سید کو دیکھ پائے تنہا اس کے قتل کی عزت حاصل کرے گا۔ اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ پر بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھ گیا۔ سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ

آور ہوتا تھا اس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تھی مگر اس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکھائے اور دونوں کے ایک ساتھ قتل ہونے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے۔

مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ محمد ؁۲۱۱ ہجری میں موصل پہنچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لئے جو ایک مدت سے موصل میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ سید بن انس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بے قرار تھا اس فوج کے ہمراہ گیا۔ زریق محمد کی آمد کی خبر سن کر خود مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام زاب پر دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا مامون نے اس فتح نمایاں کے صلح میں زریق کا تمام مال واسباب محمد کو عنایت کیا مگر اس نے زریق کی اولاد کو بلا کر سب واپس دے دیا اور کہا کہ ”میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں“ محمد نے آذربائیجان پہنچ کر ان تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بن کر ان اضلاع پر قابض تھے۔

بابک خرمی کی بغاوت

جاویدان ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا اور نہایت شہرت حاصل کی اس کے مرنے کے بعد بابک نام ایک شخص اتنے

دعویٰ کیا کہ جاویدان کی روح میرے جسم میں آ گئی ہے سنہ ۲۰۱ ہجری میں اس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور اسلامی سلطنت کے زوال کے درپے ہوا۔ سنہ ۲۰۱ھ میں عیسیٰ (گورنر آذربائیجان و آرمینیہ) اس مقابلے پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھائی۔ سنہ ۲۰۹ ہجری میں محمد جس نے زریق کی پُرزور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گزار گھاٹیاں طے کرتا ہوا بابک مستقر حکومت تک پہنچ گیا۔ ہشتادسر کے آگے پہاڑوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا۔ قلب فوج پر ابوسعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا۔ خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمین گاہوں میں چھپا رکھی تھی۔ محمد کی فوج قریباً تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آ گیا تھا کہ دفعتاً اس کے آگے کمین گاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے ادھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آ گیا اور سخت ابتری پڑ گئی۔ ابوسعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی۔ محمد تنہا رہ گیا اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اس ارادے سے چند قدم چلا تھا کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی جس کو بابک کی فوجیں پائمال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور الٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر مارے گئے۔

مامون الرشید ۲۱۸ھ تک زندہ رہا مگر اس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا۔[1] معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اس کے سرداروں نے متعدد پُرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

فتوحات ملکی [2]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں الجھا رہا۔ تاہم اس کے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا۔ صحابہ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید۔ منصور۔ مہدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ بنو امیہ کے قبضہ میں تلوار تھی۔ بخلاف اس کے دولتِ عباسیہ کے ایک ہاتھ میں قلم بھی تھا اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع نہ ہوں تو کچھ تعجب ہوسکتا ہے نہ ہم اس پر کوئی الزام عائد کرسکتے ہیں۔

---

[1] بابک کا ظہور ۲۰۱ ہجری میں ہوا اور اس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان بابک کی بغاوت اسی سن کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا لیکن چونکہ اس کی بغاوت کا سلسلہ مامونؒ کی وفات کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا میں نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب خیال کیا۔

[2] عموماً مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفاء کی فتوحات کی طرح مختلف سنوں کے ذیل ذیل میں لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہوگئے ہیں۔ صرف علامہ ابن خلدونؒ نے ہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ لکھا ہے اور میں نے اس کی تقلید کی ہے۔ ۱۲

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کر دیا وہ انکی قلم کی فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ دونوں کو ہے اور جس کی وجہ سے یورپ کی استادی کا مردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔ ۱۹۷ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں تاہم ممالک مشرقیہ میں اسکی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تاج وتخت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل پر فوجیں دارالخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لیجئے۔ اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات سے گزر گیا تھا لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اسکے عہد میں والی کابل اسلام لایا۔ قندھار۔ غزنی وغیرہ سے بت پرستی قریباً معدوم ہوگئی اور یہ ممالک ہمیشہ کے لئے علم اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ سینکڑوں ہزاروں مسجدیں تعمیر ہوگئیں اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت وجبل گونج اٹھے۔ سندھ ایک مدت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا۔ منصور عباسی کے زمانہ میں اس کے عامل نے یہاں ایک شہر بھی آباد کرایا تھا جس کا نام منصورہ رکھا تھا۔ سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہاں کا گورنر مقرر ہوا اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی (فتوح البلدان۔ صفحہ ۴۴۵) فضل بن ہامان نے سندان فتح کیا اور ایک ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لئے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا۔ فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کرائے اور سندھ ہند پر چڑھائی کی۔

دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور قالری فتح ہوا۔ (افسوس ہے کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کر سکے۔ اس لئے معرب نام پر اکتفا کی) اسی زمانہ میں ذوالریاستین کشمیر وتبت کی طرف بڑھا۔ بوخان در اور پر قبضہ کر لیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ نہ رہے۔ غاراب۔ شاغر۔ اطرارز وغیرہ پر علم اسلام نصب ہوا۔ جیغویہ خزلجی (فرمانروائے ترک) کی اولاد حرمین گرفتار ہوئیں اور فرغانہ پر سبز پھریرے اڑائے گئے [2]۔ اشروسنہ جو ایک مستقل حکومت ہے کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا۔ جس کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حیدر [3] ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اس کو قتل کرا دیا۔ یہ افسر معزز رتبہ کا آدمی تھا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اس کی لڑکی سے کی تھی۔ حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے مامون نے احمد بن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤس

---

[1] اردو کی بعض کم رمہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد لڑائیوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتمد تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ فتوح البلدان میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ فضل بن ہامان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی حکومت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اس نے سندان میں ایک جامع مسجد بنوائی (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۴۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور اب کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یاقوت نے اس کو سندھ کی حدود کے قریب خیال کیا ہے سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا نری گھڑت ہے گو ایک ہندو مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اس کا تذکرہ علانیہ کیا ہے۔

[2] اس وقت تک مامون الرشید کی فوج کے پھریرے فاطمیوں کی طرح سبز رنگ کے ہوتے تھے۔ ۱۲

[3] غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا۔

نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے بیٹے کو ترک بادشاہوں کے پاس بھیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غارتگروں سے بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی مگر اسلامی فوجوں نے اس کے پہنچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا اور اسلام لایا جس کے صلے میں مامون نے اس کی حکومت قائم رکھی[1] تبت کے رئیسوں میں سے بھی ایک ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت پرستش کرتا تھا۔ جس کی صورت سے ایک عجیب اوج وشان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیمیں جلوس کے لئے تھا اور اس پر ہر وقت دیباج کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا تو بت اور تخت دونوں مامون کے پاس بھیج دیئے اور نامہ لکھا کہ "میں فلاں حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تھا کعبہ پر نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہوں۔" نصیر بن ابراہیم عجمی ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جائے تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونوں وقت تخت پر کھڑے ہو کر بآواز بلند کہتا تھا کہ "فرمانروائے تبت اسلام لایا یہ اسکے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامۂ مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس کو اسلام کی توفیق دی[2] اسی سن میں عبداللہ بن

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۰ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے۔ ۱۲

[2] میں نے ان تمام فرامین سے اخذ کیے ہیں جو مامون نے اس تخت وتاج کے کعبہ پر چڑھائے جانے کی نسبت لکھے تھے تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پر آویزاں کئے گئے اور قریبا ۲۷۶ ہجری تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تھے علامہ ازرقی نے ان فرمانوں کو خود دیکھا تھا اور تاریخ مکہ میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے (کتاب مذکور صفحہ ۱۵۷) ان فرمانوں میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بھی مجمل تذکرہ ہے جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے افسوس ہے کہ اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کیے۔ فتوح البلدان میں صرف اس قدر کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل اسلام لایا۔ ۱۲

خودازبہ۔ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی۔ بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کیے۔ والی دیلم جس کا نام ابولیلیٰ تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب ہوتا تھا لیکن پہاڑی آبادیاں اب تک شہریار و مازیار کے قبضہ حکومت میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا شہریار، مازیار دونوں نے اطاعت قبول کی۔ مازیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابودلف نے بھی دیلم کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم۔ بوج۔ ابلام۔ انداق فتح کیے۔ مامون نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں۔ جزیرہ کریٹ کو جو بحرالغرب میں واقع ہے اور جس کا دور ۳۶۰ میل سے کم نہیں ہے۔ ابوحفص اندلسی نے (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا۔ اور وہیں پر برسوں تک مقیم رہا پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۲۰۱ ہجری میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا۔ [1]

جزیرہ صقلیہ (سسلی) [2] کی فتح
سنہ ۲۱۲ ہجری

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے۔ سنہ ۲۱۲ ہجری میں ہیکل

---

[1] اکثر عربی مورخوں نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ گبن نے سچ لکھا ہے کہ مسلمان مورخوں نے جو پیئر اور مانس کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے مگر رومی مورخوں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی۔ عربی تاریخوں میں سے میں نے اس فتح کا تذکرہ صرف فتح البلدان میں دیکھا ہے اور یہ اجمالی حالات اسی سے نقل کیے ہیں۔

[2] سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخوں کے میں نے گبن کی رومن امپائر سے بھی لیا ہے

شہنشاہ روم نے جس کا نام عربی مورخ میخائیل لکھتے ہیں۔ قسطنطین کو سسلی کا گورنر مقرر کیا تھا۔ قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی۔ فیمی ایک مشہور بہادر تھا اس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات نمایاں حاصل کیں لیکن اس جرم پر کہ ایک پارسا عورت کو عبادت گاہ سے بھگا لایا شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اس کی زبان کاٹ ڈالیں فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہ ہوا اور علانیہ بغاوت ظاہر کی جزیرہ کے ایک مشہور شہر قوستہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا۔ قسطنطین نے سرقوستہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور قسطانیہ میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ فیمی نے قسطانیہ پر چڑھائی کی قسطین گرفتار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں مستقل حکومت قائم ہو گئی سرقوستہ کو پایہ تخت قرار دیا اور اضلاع پر عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ دشمنوں میں سے کوئی شخص اس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بدقسمتی سے خود اس کا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا مخالف ہو گیا اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوستہ پر حملہ آور ہوا۔ فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہو کر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا' خط لکھا کہ اسلامی فوج اس موقع پر اگر

فیمی سے شہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل صرف گبن کے حوالہ پر میں نے لکھی ہے جزیرہ سسلی قریباً دس ہزار مربع میل ہے سات ضلعوں میں منقسم ہے جن کے نام ہم ذیل میں لکھتے ہیں وہ نام ہیں ذیل کی تصریح سے ان کے نام معلوم ہوں گے۔

بلرم۔ مینا۔ قطانیہ۔ سرقوسہ۔ جرجنت۔ کلتا۔ تیحا۔ ترینی۔

یہ جزیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا تو اسکی آبادی میں اسلامی نسلیں کثرت سے پھیل گئیں۔ زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جب ابن حوقل جو بغداد کا مشہور تاجر تھا اس جزیرہ میں پہنچا تو خاص بلرموں میں ایک تیر کے فاصلے پر دس دس مسجدیں دیکھیں (دیکھو معجم البلدان حالات صقلیہ) اب اس جزیرہ میں ایک شخص بھی محمد ﷺ کے نام کا ادب کرنے والا نہیں۔

میری آبرو رکھ لے تو اس کے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں۔ زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۱ھ میں سو جنگی جہاز جن میں ۷۰۰ سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے۔ سسلی پہنچ کر اسلامی فوج نے جس کی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا جس نے فیمی کو شکست دے کر سرقوستہ سے نکال دیا تھا۔ دونوں فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسری پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود تھا مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اس کو الگ کر دیا کہ جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کا مستحق نہیں۔ جنگ کا خاتمہ بلاط کی شکست پر ہوا۔ اب اسد کی فتوحات کا کوئی سدراہ نہیں رہا۔ جس طرف گذرا فتح و ظفر نے خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرے والے اکثر ہر طرف سے آ کر وہاں جمع ہو گئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بنگیا تھا۔ اسد نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے فریب سے یہ ظاہر کیا کہ ”ہم خود جزیہ دینے پر راضی ہیں۔“ ادھر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور ان کی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے دور ٹھہرے گی۔ فرصت پا کر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہنچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا یہ پیغام سنا اور دفعتاً تمام جزیرے میں فوجیں پھیلا دیں سرقوستہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین توقع پر افریقہ سے امدادی لشکر بھی پہنچ گیا اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھریرا اڑ آیا

جائے لیکن بلاطہ کا بھائی میکل ایک فوج کثیر کے ساتھ آ پہنچا اور اسلامی فوج خود محاصرے میں آ گئی۔ اسد نے حفاظت کے لئے خندق تیار کرائی اور اس سے کچھ فاصلے پر بہت سے گڑھے کھدوائے اور ان پر گھاس پھوس بچھوا دی میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڑھوں کو بھرتی چلی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی لیکن ۳۱۳ھ میں ایک عام وبا پھیلی اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ سپہ سالار اسد بھی بیمار ہوا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کمان محمد بن ابی الجواری نے لے لی۔ اسی اثناء میں قسطنطنیہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہنچا مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ افریقہ واپس چلے جائیں لیکن رومی فوجوں نے تمام راستے روک لئے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا انہوں نے اپنے جہازات خود جلا دیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ میں پھیل گئے۔ مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا۔ جو جنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہو گئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہوا۔ اس معرکہ میں فیمی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ قصریانہ والوں نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تخت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فیمی اس فریب میں آ گیا اور آخر انکے ہاتھ سے قتل ہوا اسی اثنا میں روم سے ایک بے شمار لشکر پہنچا اور قصریانہ والوں کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قصریانہ میں محصور ہوئی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام دونوں کو اعتدال سے زیادہ بڑھا دیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے

جدھر موقع پایا لوٹ مار شروع کی۔ رومیوں نے دیکھ کر کہ انکی طاقت یکجا نہیں رہی ہر طرف ان پر حملے کیئے اور پے در پے شکست دیں ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور رسد تک بند کر دی مسلمانوں نے چاہا کہ شبخوں مار کر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے باخبر ہو چکے تھے اور اپنے خیموں کو چھوڑ کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ مسلمان ان کے پڑاؤ تک پہنچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیوں کے حصار میں تھے مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر مینا میں محصور ہوئے۔ لیکن اسی سختی سے دن گزرے کہ کتا بلی تک مار کر کھا گئے اس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے ان کو مرنے سے بچا لیا اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیروں اور نوآبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے اتفاق سے ایک بیڑا جہازات ادھر آ نکلا۔ ساتھ ہی افریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آ گئے ان سب جہازوں کا شمار قریباً تین سو تھا۔ رومیوں نے فتح کا خیال چھوڑا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش میں لبریز تھے شہر بلرم ان کے حملوں کا آماجگاہ ہوا اور ۲۱۶ھ میں بالکل فتح کر لیا گیا۔ ۲۱۹ھ میں اور اسکے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سن سے پہلے ختم ہو گئی ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے۔

روم پر حملے [1]

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ ان میں مامون بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان لڑائیوں میں اس کی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے تو وہ مؤرخین کے قلم سے صرف شاعر یا صاحب القلم کا لقب پاتا ہے ان فتوحات کی سند پر عام مؤرخین مان گئے ہیں کہ وہ تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔ جمادی الاول ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہنچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لے کر آئے اور یہ شرطیں پیش کیں۔

۱۔ درالخلافہ سے یہاں تک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کریں گے۔

۲۔ جس قدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں سب بغیر کسی عوض کے رہا کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے ان کی مرمت کر دیں گے۔

ان تینوں شرطوں میں جو پسند ہو ہم اس پر راضی ہیں جس کے عوض ہم

---

[1] یاد رکھنا چاہیے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشیائے کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی یہی مقصود ہے۔ جن شہروں کے نام ان فتوحات میں لیے گئے ہیں ان کو ایشیائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈھ چاہیے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہ ہوں تو اٹلی یا قسطنطنیہ کی خاک چھانتے پھریں گے کیونکہ اب روم کے لفظ سے یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔

صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دارالخلافہ کو واپس جائیں۔ مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک یہ سوچتا رہا کہ کون سا پہلو اختیار کرے مگر اس کی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں فتح سے کم قیمت ہیں اس نے قاصدوں کو بلا کر کہا "پہلی شرط کی نسبت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو۔ دوسری شرط بھی بے سود ہے کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہاں قید ہیں اگر وہ دین کے لئے لڑنے گئے تو قید ان کے لئے مایہ فخر ہے اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں۔ تیسری شرط بھی میں منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے "ہائے محمد" کہہ کر پکارا ہوگا میں اس کی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعے کے عوض میں بھی نہیں بیچ سکتا۔[1]

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود میں پہنچ گیا قلعہ قرۃ کا محاضرہ کیا اور ۲۶ جمادی الاولیٰ کو فتح کے بعد برباد کر دیا قلعہ ماجدہ کے لوگوں نے خود ہی اطاعت قبول کر لی۔ قلعہ سنان لڑ کر فتح ہوا۔ اشناس نے اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لایا۔ اسی طرح عجیف و جعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں تھے قلعہ سناد پر فتح کے پھریرے اڑائے۔

مامون اتنی کامیابیوں کے بعد دمشق کو واپس آیا۔ مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سن کر بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پہنچ کر نہایت بے رحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کرا دیئے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی

---

[1] یہ زائد تفصیل صرف مروج الذہب مسعودی سے لی گئی ہے۔

کی۔ خود ہرقلہ کا محاصرہ کیا اور عباس اپنے بیٹے اور ابواسحٰق معتصم اپنے بھائی سے کہا کہ تمہارے حوصلوں اور بہادری کے لئے دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے فتوحات کے لئے جس قدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ابواسحٰق نے کم وبیش تیس نامور قلعے فتح کیے جن میں خرونلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا اور بارہ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ابواسحاق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا اور آگ لگا دی۔ عباس الطیفو۔ قلعہ احرب کو فتح حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا اور نہایت سخت پرخطرناک جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دے کر بے شمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

۲۱۷ھ میں بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ مامون غصے سے بے تاب ہو گیا اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پھر تازہ ہو گئے۔ بڑے ساز وسامان سے روانہ ہوا۔ ممالک محروسہ میں فرامین بھیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمر بستہ ہوں اور روم کی طرف رخ کریں۔ اس زمانہ میں روم کا سب سے نامی قلعہ لولوۃ تھا۔ جو ہرقلعہ کی گذشتہ عظمت کا ہمسر گنا جاتا تھا مامون نے پہلے اس کا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملوں کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹ کر دو نئے قلعے تیار کیے جائیں۔ غیر ممالک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے ساتھ کیا سر وسامان رکھتی ہوگی۔ ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلۃ اور دوسرے پر ابواسحاق معتصم کو متعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی۔ خود ایک دوسرے قلعہ کی فتح کرنے

کو بڑھا جس کا نام سلغوی تھا عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلۃ و ابو اسحاق اپنے قلعوں سے نکل کر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے۔ اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لئے۔ لولوۃ والے یہ دیکھ کر خود ان کا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ٹھہر سکا ہمت ہار گئے اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کر دیا کہ "ہم کو تمہارے صدقے میں امن مل جائے۔" مامون نے ان کی درخواست قبول کر لی اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔

حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا ۲۱۸ھ میں مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک شہر بسایا جاوے۔

شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی۔ جس میں صدر دروازے چار تھے اور ہر دروازہ پر ایک قلعہ تھا۔

فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جائے جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار سو درہم۔ پیادہ چالیس درہم۔

---

[1] مامون کی فتوحات گو ابن خلدون، ابوالفدا، ابن الاثیر سب نے کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میرا خاص ماخذ عیون الخلائق ہے جس کے بیان میں زاید تفصیل کے ساتھ واقعات کا تسلسل و حسن اتساق عموماً دوسروں سے بڑھا ہوا ہے۔

مامون کی وفات ۱۸ رجب سنہ ۲۱۸ھ

اس وقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کئے ہیں مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پا کر عنانِ سلطنت اس نے خاص اپنے ہاتھ میں لی اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ دکھاتا جو اسلام کے گذشتہ ناموروں نے دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اس کی ابتدائی بازی گاہ ہیں تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب تک وہ انہیں اطراف میں موجود ہے اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت کا بالکل استحصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن زمانے نے کس کی سب آرزوئیں پوری ہونے دیں۔ بہت سے فخر خیالات اس کے دل میں پھر رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ موت نے یہ پیغام سنا کر سب مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے۔"

ایک دن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بذندون کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دل فریب سماں دکھا رہی تھی مامون و معتصم دونوں ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے۔ سعد قادری مامون کا خاص ندیم بھی اس موقع پر موجود تھا۔ مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا "کیوں سعد ایسا سرد اور صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے۔" (سعد تھوڑا سا پانی پی کر) حقیقت

میں بے نظیر ہے۔ (مامون) اس پانی پر غذا کیا ہو۔ (حضور) حضور خود اس سوال کا جواب عمدہ دے سکتے ہیں۔ (مامون) ازاذ کی کھجوریں۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے اس حسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی کہ سرکاری کاغذات کے علاوہ مامون کی فرمائش بھی ڈاک کے ساتھ تھی سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا سرد پانی نوش جان کیا۔ لیکن اٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہنچ کر ۱۳ جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا اور اسی عارضہ میں انتقال کیا۔

مرنے سے چند روز پہلے جب زیست سے بالکل مایوسی ہوگئی تو تمام ممالک میں فرامین روانہ کئے جن کا یہ عنوان تھا۔ ''امیر المومنین مامون اور اس کے بھائی ابواسحٰق کی طرف سے شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ تھا اور اگر اس کو ولی عہد ہونے کا دعویٰ ہوتا تو ناموزوں نہ ہوتا لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب تھی۔ اس نے اپنے نامور فرزند کو چھوڑ کر اپنے بھائی ابواسحٰق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہارون الرشید اپنی زندگی میں اس کو خلافت کے آئندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی بلکہ یہ انتخاب اس کے صائب الرائے ہونے کا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابواسحٰق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے اور اس کے عظیم الشان کارناموں کے یاد دلانے کے لئے صرف اس کا نام لینا کافی ہے۔

مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج، علماء، قضاۃ، خاندان

شاہی کو جمع کیا اور نہایت موثر لفظوں میں وصیت کی جس کا مختصر مضمون یہ ہے۔

"مجھ کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور بیم و امید دونوں مجھ پر حاوی ہو رہے ہیں لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں تو امید کا پلہ گراں ہو جاتا ہے جب میں مر جاؤں تو مجھ کو اچھی طرح غسل دو اور وضو کراؤ، کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد و ثنا پڑھ کے مجھ کو تابوت پر لٹاؤ اور تدفین میں جہاں تک ممکن ہو جلدی کرو جو شخص کبیر السن اور رشتہ میں سب سے زیادہ ہو وہ نماز پڑھائے۔ نماز میں تکبیر پانچ بار کہی جائے۔ قبر میں وہ شخص اتارے جو رشتہ میں قریب تر ہو۔ اور مجھ سے بہت محبت رکھتا ہو۔ قبر میں میرا منہ قبلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤں پر سے کفن ہٹا دیا جائے پھر قبر کو برابر کر کے لوگ چلے جائیں اور مجھ کو میرے اعمال کے ہاتھ میں چھوڑ دیں کیونکہ تم سب لوگ مل کر بھی نہ مجھ کو کچھ آرام پہنچا سکتے ہو نہ مجھ سے کوئی تکلیف دفع کر سکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو ورنہ چپ رہو کیونکہ برا کہنے سے تم پر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجھ پر کوئی شخص چلا کر نہ روئے۔ شاید میں بھی اس کے ساتھ مواخذہ میں آؤں۔

تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت میں مرنا لکھ دیا اور بقا میں آپ یگانہ رہا۔ دیکھو میں کس اوج کا تاجدار تھا لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچھ زور نہ چل سکا۔ بلکہ حکومت نے میری آئندہ زندگی اور پر خطر کر دی اے کاش عبداللہ (مامون کا اصلی نام ہے) نہ پیدا ہوتا۔ اے ابواسحٰق میرے سامنے اور میرے حال سے عبرت پذیر ہو۔ خدا نے خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے تجھ کو اس

کی طرح رہنا چاہئے جو مواخذہ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے اس کو سب کاموں پر مقدم رکھنا۔ زبردست عاجزوں کو ستانے نہ پائیں۔ ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی پیش آنا جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں ان کی خطاؤں سے اغماض کرنا اور سب کے روزینے اور تنخواہیں برقرار رہیں۔ اسکے بعد اس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں کہ غش سا آ گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمہ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا اس بات پر متعجب ہوا اور حقارت سے کہا کہ ”تم اپنی ہدایت رہنے دو۔“ اس وقت مامون کے نزدیک خدا اور معافی دونوں یکساں ہیں۔“ مامون اس آواز سے دفعتاً چونک پڑا اور اس قدر غضبناک ہوا کہ اس کے تمام اعضاء تھرانے لگے چہرہ اور آنکھیں بالکل سرخ پڑ گئیں ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑ لے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے مگر اعضاء قابو میں نہ تھے۔ منہ سے کچھ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اس کی زبان کھول دی۔ وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا ”اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہو گی۔ اس پر رحم کر، جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے۔“ اسی فقرہ پر اس کے نفس واپسیں نے دنیا کو الوداع کہا اور خدا کے سایہ رحمت میں چلی گئی۔[1]

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

---

[1] نزع کے بعض حالات میں نے مروج الذہب مسعودی سے لئے ہیں۔

ان للہ وانا الیہ راجعون

عباس اور ابواسحٰق معتصم۔ اس کا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان میں جو ہارون الرشید کا خادم خاص تھا دفن کیا مورخین اس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے لاڈلا تھا اس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بعد المشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

مامون کا حلیہ

رنگ سپید، سرخی مائل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی مگر پتلی تھی۔ پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تل تھا۔ موزوں اندام اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد اکبر۔ محمد اصغر۔ عباس۔ علی۔ حسن۔ اسماعیل۔ فضل۔ موسیٰ۔ ابراہیم۔ یعقوب۔ حسین۔ سلیمان۔ جعفر۔ اسحاق۔ احمد۔ ہارون۔ عیسیٰ۔

* * *

کتاب المامون
کا
دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے اور اس اعتبار سے وہ ان تمام تاریخوں کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ تاہم وہ مامون کے عہد سلطنت کی یک رخی تصویر ہے جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولیٹکل کو انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف مامون کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اس میں دکھائی نہیں دیتا اس لئے ضروری ہے کہ اپنے راہنما مورخوں کے نقش قدم چھوڑ کر ہم دلیل راہ بنیں۔ اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں جس میں وہ مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں مامون جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ ایام العرب شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جس فن کی بزم میں جاؤ گے وہ صدر نشین نظر آئے گا۔ اس کی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز

حصوں میں اپنی نامور اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں۔

بہادروں کے معرکوں میں اسکی تیز دستیاں دیکھ کر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں کہ سلاطین تو کیا فقرا اور درویشوں میں بھی دو ہی چار ایسے فرشتہ خوگزرے ہوں گے۔ تواضع۔ حلم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریادلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔ مردانگی کوئی ایسی صفت نہیں جو قدرت نے اس سے دریغ رکھی ہو۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی اس سے سرزد ہوگئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتاً اس کی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں تاہم جموعی حیثیت سے **اسلامی ہیروز** (نامور لوگ) میں وہ ایک نامور ہیرو ہے اور ظلم ہے اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار میں پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبوں کی طرح چند ایسے معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائیں۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم و نسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے جس کا التزام ہماری قلت نظر پر یا اگر پاس ادب نہ ہو تو قدیم مورخوں پر ہوگا جو آنے والی نسلوں کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کر سکے۔ دوسری قسم کے حالات کے لئے گو مجھ کو ہزاروں ورق الٹنے پڑے ہیں لیکن جو سرمایہ جمع ہو گیا ہے میں اس کو بہر حال کافی خیال کرتا ہوں اور قدما کا مشکور ہوں کہ جو کچھ ہے انہیں کا ہے۔

اگرچہ یہ حضرات ریزہ چینی اور مختلف پریشان اور گمنام موقعوں

سے پتہ لگانے کی محنت پھر بھی میرے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

اس حصہ کے آغاز پر بغداد کا پراثر نام زیادہ موزوں ہوگا جو ایک مدت تک نہ صرف عباسیوں کا بلکہ عموماً اسلامی جاہ وجلال کا مرکز رہا ہے۔

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا اور اسی بنا پر بعض یورپین مورخوں نے اسکی نسبت اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت دونوں حیثیت سے اس کا دارالخلافہ بغداد کہا جاسکتا ہے نہ کہ خراسان' اس لئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا حال لکھتے ہیں۔

بغداد

بغداد کی جس نے بنیاد ڈالی وہ مامون الرشید کا پردادا ابو منصور تھا منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ؁۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام دونوں لحاظ سے اب ایک مستقل پایہ تخت کی ضرورت تھی منصور نے کوفہ کے نواح میں ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بے وفائی نے کوفہ سے اس کا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش

---

[1] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان ناصری سے لکھا ہے کہیں کہیں دوسری کتابوں سے کچھ حالات اضافہ کئے ہوئے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دیئے گئے ہیں۔

[2] بغداد کی وجوہ تسمیہ میں یہ روایت غالباً زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اس کے قریب نوشیرواں کا باغ تھا جہاں وہ بیٹھ کر مقدمات فیصلہ کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داد یعنی انصاف کا باغ مشہور ہوگیا۔

اور بہت سے اہل الرائے کے مشورہ کے بعد اس نے وہ مختصر آبادی انتخاب کی جو کسی زمانہ میں نوشیروان عادل کے انصاف سے منسوب تھی اور اب مختصر ہو ہوا کر بغداد کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر خطہ سے موزوں تھا اسکے دونوں طرف چار نہایت آباد اور زرخیز صوبے تھے۔ (دجلہ (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے ہندوستان۔ بصرہ۔ واسطہ مغرب۔ شام۔ مصر۔ آذربائیجان۔ دیار بکر وغیرہ کا مشترک تجارت گاہ ہو سکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل اور قریباً ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولیٹکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھا۔ نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا جہاں شاہانہ جاہ و حشم اور مخلصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا کہ عرب کی قوت و اثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان حیثیتوں میں اگر کوئی اسلامی شہر اس کا ہمسر ہو سکتا تو صرف دمشق تھا لیکن وہاں کی آب و ہوا میں مروانی حکومت کا زہر آلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور کو بخل کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا لیکن نئے دار الحکومت کے شوق میں اس کی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دے کر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی اور فرامین بھیج کر شام۔ موصل۔ کوہستان۔ کوفہ۔ واسط سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بلائے گئے۔

سنہ ۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا اور اس وقت قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت

کرتا ہے۔ چند ریاضی دان عالم مقرر کیے کہ عمارتیں اصول ہندسی کے لحاظ سے تیار ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب کو اس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کرنے کی نسبت منصور کے اصرار چند بار نہایت آزادی سے رد کر چکے تھے خشت شماری کا ذلیل کام[1] دیا۔ جس کو امام صاحب نے قضا کے پرخطر کام کے مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی لیکن سطح خاک کے برابر آ کر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا جس سے غالباً یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص و عام کو یکساں نسبت ہے۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ تعمیرات کے سلسلے میں ایوان خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر خلد نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں لیکن سبکا سرتاج قبۃ الخضراء ایک سبز گنبد تھا جس کا ارتفاع تقریباً ۸۰ گز سے کم نہ تھا۔ نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام **مدینۃ السلام** سے بدل دیا گیا جو عام زبانوں پر گو محیط نہ ہوا لیکن دفاتر اور تصنیفات پر عموماً حاکمہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا حتیٰ کہ ایک افسر پر اس حساب میں پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم

---

[1] کامل ابن الاثیر ذکر تباہی خاندان برامکہ [illegible]

کی رقم خالی ہوگئی۔ [۱]

یہ بغداد اور جس کا ذکر ہوا منصور کا بغداد تھا لیکن بہت جلد روز افزوں ترقی کے ساتھ اس کی اصلی ہیئت بدل گئی۔ منصور کے جانشین **مھدی** نے دارالخلافہ کو دجلہ کی مشرقی جانب بدل دیا۔ جس [۳] سے شہر کی یہ صورت ہوگئی کہ دجلہ بیچ میں آ گیا اور اس کے قدرتی منظر میں ایک عجیب دلفریبی پیدا ہوگئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں کرتا چلا گیا قریباً پانسو برس تک خلفاء داعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولت مند امراء کے فیاضانہ بے روک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کیے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم **جعفر** برمکی نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کر دیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر (یعنی دو کروڑ درہم) اترا [۲]۔ رنگین مزاج امین الرشید نے بھی دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں۔

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے

---

[۱] منصور نے امام ابوحنیفہ صاحب کو منصب قضا کے قبول کرنے کے لئے کہا۔ امام صاحب نے فرمایا "میں اس قابل نہیں"۔ منصور نے غیظ میں آ کر کہا "تم جھوٹ بولتے ہو" امام صاحب نے فرمایا "تو میرا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے۔"

[۲] دیکھو نجوم الذاہرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ صفحہ ۳۲۷۔ مصارف تعمیر میں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کروڑ درہم کے پچاس لاکھ روپیہ ہوئے۔

[۳] دائرۃ المعارف تذکرۃ البغداد۔

زیادہ تھی۔ آثار الدول میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں تین ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام وہاں موجود تھے۔ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ شہر بغداد میں آٹھ سو طبیبوں کو مطب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتوں کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہوسکتا ہے جس ک لئے ناظرین کو ہمارے اس سلسلہ تصنیف کا منتظر رہنا چاہئے جس کا نام عمارات الاسلام ہوگا لیکن **دارالشجرۃ** کے ذکر کے لئے اس مختصر کتاب کو بھی گبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اجمالاً ہم اس کا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب عمارت خلیفۃ القتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گدے تھے۔ اور ہر گدے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا چلنے کے وقت سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیباہ وحریر کی وردیاں پہنی مرصع زرین تلواریں لگائے اس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔[1]

بغداد میں خلفا کا ملکی رعب داب گو وہی صدیوں کے بعد جاتا

---

[1] دیکھو معجم البلدان۔ ذکر دارالشجرۃ گبن صاحب کی رومن امپائر عہد عباسیہ۔

رہا لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک رہی۔ آستانہ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے۔ ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی دیلم و سلجوق کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا فخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیارات تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعراء مجتہدین۔ اہل فن دور دراز ملکوں سے آ کر وہیں پیوند خاک ہو گئے بغداد کے مقبروں نے جن اسلامی جوہروں کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سینکڑوں برس کی مدت میں ان کو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسیٰ کاظم امام ابوحنیفہ۔ امام احمد بن حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی بہ معروف کرخی۔ جن کو ہاتھ سے کھودینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہے گا۔ یہیں کی قبرستانی آبادی میں سو رہے ہے۔

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو تو جب وہ کچھ نہیں رہا تھا اس وقت بھی تین بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے علامہ ابن جبیر ۵۷۸ھ میں جب وہاں پہنچے تو ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلہ عمارات دیکھ کر ان کو دھوکا ہوتا تھا کہ ”اب میں مستقل آبادی میں موجود ہوں۔“[1]

انوری نے ایک قصیدہ میں بغداد کی خوشگوار آب و ہوا دجلہ کی روانی کشتیوں کی سیر باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سماں دکھایا ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر
کہ کس نشاں ندہد درجہاں چناں کشور

---

[1] سفر نامہ بن جبیر۔ حالات بغداد۔

سواد او بمثل چون سپهر مینا رنگ
هوائے او بصفت چون نسیم جان پرور
کنار دجله ز ترکان سمین خلخ
میان رجه خوبان ماه رخ کشمر
هزار زورق خورشید شکل بر سر آب
بران صفت که پراگنده سپهر اختر
بشبه باغ شود آسمان بوقت غروب
بشکل چرخ شود بوستان بوقت سحر
بوقت شام همی این بآن سپاره و گل
بگاه بام همی آن باین دهد اختر
شگفته نرگس بو بطرف لاله ستان
چنان که در قدح گوهرین مئے اصفر
نوائے طوطی و بلبل۔ خروش عکه و سار
همی کنند خجل بنخائے خنیاگر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وسعت سلطنت۔ خراج۔ بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج عشر۔ زکوٰۃ جزیہ فوج کی تعداد۔ تنخواهیں۔ جنگی جهازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی وہ حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اسپین کے سوا اس کی حکومت سے آزاد نہ تھا ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ [1] مامون کی خلافت نے اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ چند مشہور اضلاع اور ہر ایک جداگانہ خراج کا ایک نقشہ درج کرتے ہیں اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے تیار کیا گیا ہے۔ غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا۔

---

[1] اس تعین میں میں نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے۔ (۱) رشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانچ سو قنطار تھا دیکھو مقدمہ بن خلدون۔ فصل دوم ۱۸ (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے۔ معجم البلدان جلد اول ۲۲۶ھ (۳) دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔

ضلع	خراج
سواد	دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم دو سو بخرانی حلے ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔
کسکر	ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم۔
	زجلہ کے اضلاع دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم۔
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم۔
اھواز	پچیس ہزار درہم اور تیس ہزار رطل شکر۔
فارس	دو کروڑ ستر لاکھ درہم گلاب تیس ہزار بوتل زبیدہ سیاہ بیس ہزار رطل۔
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل۔
مکران	چار لاکھ درہم۔
سندھ	ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل۔
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان۔ فانید بیس رطل۔

---

[1] علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا اور اس کے حوالہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۸۔ ۱۲

خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان تیس ہزار رطل
جرجان	ہلیلہ۔ دو ہزار نقرہ چاندی۔
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی۔
رے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل۔
طبرستان و رومان ونہاوند	ترسیٹھ لاکھ درہم طبرستان فرش چھ سو۔ چادریں دو سو۔ کپڑے پانچ سو تھان۔ مندیل تین سو۔ جامات تینسو۔
همدان	ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم۔ رب الرما تین ہزار رطل۔
بصرہ	ایک کروڑ سات لاکھ درہم۔
ماہدان ودنیور	چالیس لاکھ درہم[1]
شہرزور	سڑسٹھ لاکھ درہم۔
موصل	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ شہد سپید دو کروڑ رطل۔
آزربائیجان	چالیس لاکھ درہم۔
جزیرہ مع اضلاع فرات	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ غلام ایک ہزار۔ شہد بارہ ہزار مشک۔ باز دس۔ چادریں بیس۔
آرمینیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفوری[2] بیس پانسو تیس رطل مساتج سورماہی دس ہزار رطل۔ صونج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو چیرے تیس۔

---

[1] درہم چار کا ہوتا ہے۔

[2] قرم ایک قسم کا پھل ہوتا ہے۔

قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زینت ہزار حمل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار۔
اردن	ستانوے ہزار دینار۔
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار۔ زیت تین لاکھ رطل
مصر	انیس لاکھ بیس ہزار دینار۔
برقة	دس لاکھ درہم۔
افریقه	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس
یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اسکے علاوہ
حجاز	تین لاکھ دینار۔

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اس سے الگ ہے۔ ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اس کی چار قسمیں تھیں۔ خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ زکوۃ۔

مامون نے خراج و زکوۃ و جزیہ کا جس کو آج کی زبان میں لگان یا ٹیکس کہہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا بلکہ اس سے پہلے عادل و فیاض جانشینان اسلام کا جو دستور العمل تھا وہی اسکے عہد میں بحال رہا۔ اس لئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالیں گے اور ہم کو امید ہے کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مذہبی بحث سے ہم کو سروکار نہ تھا اور جو کچھ لکھیں گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے۔ جس طرح یورپین مصنفین

---

[1] درہم چار کا ہوتا ہے۔ [2] رقم ایک قسم کا پھل ہوتا ہے۔

ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی فعال سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہم ایسا نہ کریں گے خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور دو باقی ایک قسم کے حقوق ہیں جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والوں سے وصول کیئے جاتے تھے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اس کے اسلام عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کو راہنما سمجھتے تھے اور اسی لئے کافی وثوق کے ساتھ ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ مامون کے عہد کا قانون لگان و ٹیکس بھی قریب قریب وہی ہوگا جو کسی زمانہ پیشتر میں تیار ہوا ہوگا لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا چاہئے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح معنوں میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں اور اس لئے ہم کو اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔ رفقہ کی کتابوں میں ان کے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ نفی یا خلفا و سلاطین اسلام کے متفقہ اور مسلمہ عملی قاعدے ہیں۔ بے شبہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا اور اس وجہ سے جیسا موقع ہوا خراج۔ عشر جزیہ سب کچھ وصول کیا گیا لیکن یہ دعویٰ کرنا فضول ہے کہ ان کے متعلق شارع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیئے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی ہر جائز تخت نشین اسلام کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفاء و سلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصلحتیں ان میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں۔ اب ہم عام طرح پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یا خلفاء کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں بھی قریب قریب اسی پر عمل درآمد رہا۔

[۱] جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو یا (۲) جو زمین فوج کو (جس نے اس حصہ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دی گئی ہو۔ (۳) جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں۔ ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی اسکی پیداوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائے گا اور یہی اس کا خراج سمجھا جائے گا۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پڑتی ڈال دے تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دو کانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہوگا۔

مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں سواد عراق کی پیمائش بالکل ہو چکی تھی اور مختلف شرحوں کی جمع باندھ دی گئی تھی۔ ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین ان کو بانٹ دی جائے لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح ان کو فاتحین کی رائے پر مائل نہ ہونے دیتی تھی۔ بالآخر اس نصی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کئے جاویں۔ [۲] مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعاً

---

[۱] جامع صغیر کتر۔ ۱۲

[۲] حسن المحاضرة جلد اول صفحہ ۹۳۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ

زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپ نے اس کو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرا لیا۔ [1]

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمد و سفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی صلاحیت ملحوظ ہوتی ہے اس لئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو ان سے بھی وہی عشر لیا جائے گا۔ [2] حضرت عمرؓ نے قوم بنط سے عشر ہی لیا تھا۔ امام مالک گو امبار میں کسی قدر ذمیوں کے ساتھ سختی کرتی ہیں تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے تو انکا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمد کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ نے سواد کے کل اضلاع کی پیمائش کرائی تھی جو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہرا اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۵۷ سطر ۹،۱۰

[2] ازالۃ الخلفاء جلد دوم صفحہ ۱۳۲

نخلستان [1]	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
انگور	-	-
نیشکر	-	۶ درہم
گیہوں	-	ایک درہم و ایک صاع غلہ [2]
جو	-	ایک درہم وصاع
روئی	-	۵ درہم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار (یعنی پانچ روپیہ) مقرر رہا اور عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ عہد لکھ دیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جائے گا۔[3] اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہئے لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں اکثر اوقات ان میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

حضرت علی نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام ان علاقوں میں نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روئی۔ تل۔ مقاثی اور تمام قسم کی بقولات اور ترکاریوں کی زمین عموماً خراج سے معاف کر دی۔

---

[1] اس باب میں فتوح البلدان، ہدایہ کی روایتیں مختلف ہیں میں نے ہدایہ کی روایت لی ہے۔

[2] صاع ۳۵۱ تولہ کا ہوتا ہے۔

[3] فتوح البلدان صفحہ نمبر ۲۱۵، ۲۱۸ مطبوعہ لیڈن۔ ہالینڈ

گیہوں اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑھ درہم اور صاع غلہ
متوسط درجہ	-	ایک درہم
ادنے درجہ	-	درہم کی تہائی

جو کی زمین پر اسی حساب سے گیہوں کا نصف تھا۔ [1]

قریباً یہی شرح حساب تمام ممالک اسلامی میں جاری تھا۔ اور مسلمان و ذمی (یعنی دوسرے مذہب والے) دونوں پر یکساں اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقوں میں مہدی عباسی نے لوگوں کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کر دی تھی لیکن مامون الرشید نے ۲۰۴ھ میں شرح گھٹا کر دو خمس کر دی۔ [2]

خراج کا ہلکا ہونا کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینوں میں اب تک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا اور زیادہ اس وجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں عرب کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھوں سے دنیا کا مرقع الٹ پلٹ کر رہے تھے ریگستان سے اٹھ کر گئے تھے اور جو کچھ مل جاتا تھا ان قانع طبیعت کے لئے کافی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولت مند کافر سے صلح کر لی اور لوگوں نے کہا کہ "تم نے بہت سستا بیچا" تو انہوں نے تعجب سے جواب دیا کہ "کیا ہزار سے بھی کوئی زائد عدد ہے" اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ

---

[1] دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱۔ ۱۲

[2] کامل بن الاثیر۔ واقعات ۲۰۴ھ۔ ۱۲

تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کر لے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات تاریخ اٹھا کر دیکھو سینکڑوں مثالیں پاؤ گے کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی دولت بنی امیہ اور عباسیہ نے کچھ اضافہ کیا مگر پیداوار کے لحاظ سے تو وہ بھی کچھ نہ تھا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ خاص تھی اور سونے چاندی۔ اونٹ گائے بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تھیں۔ حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹیکس تھا جس کو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا۔

ذمیوں پر جزیہ [1] تھا۔ گو وہ ایک نہایت خفیف رقم تھی اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں تو گویا کچھ بھی نہ تھی لیکن تعجب ہے کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں کو تعصب کا الزام دینے میں ہمیشہ بڑے زور شور سے اس کا تذکرہ کیا ہے یہ ہلکا ٹیکس جس کے نام سے یورپین مصنف کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعتہً جوش مارنے لگتے ہیں زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی ۱۲ روپیہ سالانہ تھا اور یہ تعداد بڑے بڑے دولتمندوں کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام درجہ کے لوگوں پر تین روپیہ سالانہ تھا۔ بشرطیکہ وہ ادا کرنے کے قابل ہوں لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا کہ اس

---

[1] جزیہ کی تحقیق میں وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا۔ میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو چالیس میں طبع ہوا ہے اور سیکرٹری مدرسۃ العلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے مل سکتا ہے نیز اس کتاب کے آخر میں بھی شامل ہے۔

کی شرح گھٹا دے یا بالکل معاف کر دے۔[1] لڑکے بوڑھے۔ عورتیں مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے۔

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا اور تعداد وہی بشرح سابق رہتی تھی۔[2] یعنی ایک دینار یا اس سے بھی کم۔ اس خفیف محصول کے عوض میں ذمیوں کی جان و مال کی نہایت مستحکم ذمہ داری مسلمانوں پر فرض ہو جاتی تھی۔

ان آمدنیوں میں سے زکوٰۃ کی رقم جو صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی اسی لئے تھی کہ اس سے محتاج۔ اپاہج۔ نادار۔ مسافر اور اس طرح کے درماندہ لوگوں کی اعانت کی جاوے۔ زکوٰۃ میں یہ قید تھی کہ صرف مسلمانوں پر صرف ہو لیکن اور کسی قسم کے صدقات میں جو مسلمانوں سے لئے جاتے تھے کوئی تخصیص نہ تھی اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیوں کے لئے بیت المال کی اس رقم سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔[3]

اور ایک دوسرے موقع پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ ''صدقات فقرا اور مساکین کے لئے ہیں'' مساکین سے عیسائی اور یہودی مراد[4] ہیں باقی خراج۔ عشر۔ جزیہ پبلک کاموں یعنی سڑک۔ پل۔ چوکیداری۔ تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے۔ فوج کا صرفہ بھی

---

[1] حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جرجوستا اور اسکے قرب وجوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ اماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دے گئے تھے فتوح البلدان صفحہ ۲۱۱

[2] حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نفلس والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا فتوح البلدان۔

[3] فتوح البلدان

[4] ازالۃ الخلفاء جلد دوم۔ صفحہ ۳۰۷

اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا۔

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹیکس یا محصول جو کچھ کہو یہی تھا جس کا ذکر ہوا۔ انکم ٹیکس۔ انڈیکٹری ٹیکس۔ چنگی سڑکانہ۔ درسانہ چوکیداری اسٹامپ کے ناموں سے اس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام وحیلہ دفتر العسکر میں قلم بند تھا۔ اس کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپیہ اور پیادے کی دس روپے جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھیں لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں انعامات پر لگی رہتی ہے جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی یا اظہار کارگزاری کے وقت انکو ملتے رہتے ہیں اور خصوصاً مامون کی فیاضیوں کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ ملکی عہدہ داران میں بھی صرف وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی یعنی تین لاکھ درہم ماہوار۔ اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت باقاعدہ اور منضبط تھے لیکن سپہ سالاری۔ فوج جنرل کے ساتھ

ا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو جوستہ اور اس کے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کردیا گیا تھا دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ انباریہ قبطیہ کے ہم وطن بھی جزیہ سے معاف کردیئے گئے تھے فتوح البلدان صفحہ ۲۱۱

۲۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں تفلس والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۳۰

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۱۔

۴۔ ازالۃ الخفاء جلد دوم۔ صفحہ ۳۷۔

مخصوص نہ تھی۔ صوبہ کا لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ بن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے مامون نے متعدد باران کو فوج کی افسری دی تھی اصل یہ ہے کہ اس وقت سپہ گری مسلمانوں کا عام جوہر تھا اور اسی لئے کسی شخص کا اہل قلم ہونا اس کو صاحب العلم ہونے کے قابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج منظوعہ تھی۔ جس کو والنیٹر کہنا چاہئے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہو سکتی تھی اور خصوصاً جہاد کی پرزور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک امنڈ آتا تھا۔ فوج کی سواری، ہتھیار سرکار سے ملتا تھا اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں جب خزانۃ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلہ ذیل تعداد کے ساز و اسلحہ موجود تھے [۱]

مطلا ومذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
طلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	ایک ہزار
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار
عام قسم کے زین	تیس ہزار		

جنگی جہازات کی ابتداء اگرچہ عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے کی تھی اور اسی کی زمانہ میں حسان بن نعمان گورنر افریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی تیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا۔ [۲] لیکن مامون کے عہد میں اس کو ترقی ہوئی۔ جزیرہ سسلی

---

[۱] دیکھو ثمار الاوراق۔ برحاشیہ مستطرف جلد اول صفحہ ۲۷۲

[۲] مقدمہ بن خلدون ذکر

کی فتح کے لئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کے جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کارخانہ سے تیار ہوئے تھے۔ آتش اندازی کے لئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جن کو عربی میں حراقہ کہتے ہیں۔ ان سے روغن لفظ (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بجھ نہیں سکتے تھے۔

ملک کی آبادی میں امن و امان۔ مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف وغیرہ قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی اور وسعت کے اضافے جو روز ہی رہتے ہیں سچ پوچھیے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہے تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے ایک ایک قصبہ بلکہ ایک ایک گاؤں میں چشمے اور نہریں جاری تھیں جو حاکمان اضلاع اور زمیندار و جاگیرداروں کے مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے زراعت کو روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات جاری کئے۔ ۲۰۲ھ میں جب وہ عراق کو روانہ ہوا۔ سرخس طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ نہروان۔ رے اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار

میں لکھا ہے کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھہرتا گیا۔ مقام طاء النمل میں پہنچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی یہ خبر سن کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اس کا مہمان ہوا۔ اس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلف کیوں کیا جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور اس لئے ہم لوگوں میں اسکی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جس قدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے اس سے بہت زیادہ میرے پاس موجود ہے۔ اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام اور ملک کی صرفہ الحالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں معذور' محتاج' اپاہج' بیوہ' یتیم سب کے روزینے مقرر تھے جو شاہی خزانے سے وقت معین پر ان کو ملا کرتے تھے۔ یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقر و فاقہ کا شاکی ہو اس مقام کا حاکم اس کو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اس کا خمیازہ مدت تک کھینچنا پڑا۔ اس لئے بغداد میں آ کر اس کا طرز حکومت بالکل بدل گیا۔ اب اس کو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہو گیا کہ سن کر تعجب ہوتا ہے سترہ سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں

جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اس کو پہنچاتی تھیں[1]۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو ان کے نام ونشان سے اطلاع نہ تھی۔ ہر صیغہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے۔ [2] اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا لیکن یہ بات عجیب ہے کہ اس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا۔ مامون اس سے بالکل بری تھا اس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اس کی کاروائی پر حرف آ سکے۔ بخلاف اس کے اس محکمہ نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ ”واعمراہ یعنی اے عمرؓ تم کہاں ہو۔“ مامون کو اطلاع ہوئی اس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجھ کو یاد آیا۔ اس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا ”خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں ان سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ مامون نے اس شخص کو انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا۔[3]

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر کیا جائے۔ مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں۔ اس نے بڑھا کر تعداد بتائی چونکہ مامون ایک جزوی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اس کا جھوٹ نہ چل سکا۔ دوسری بار اس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی سچ بتا دی۔ مامون نے اب عرضی پر لکھ دیا اس کا روزینہ مقرر کر دیا جائے۔[4]

---

[1] آثار الدول قرمانی۔ خلافت مامون [2] ابن خلقان۔ ترجمہ فراء نحوی [3] عیون والحدائق [4] رسالہ حکم وآداب صفحہ ۱۰

اتوار کے دن ہمشیہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص وعام کس کے لیے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہنچ کر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ہمسری کا دعوی ہوتا تھا۔

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آ کر زبانی یہ شکایت کی پیش کی ایک ظالم نے میری جائد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا کس نے۔ اور اُس نے اشارہ سے بتایا کہ آپ کے پہلو میں مامون نے دیکھا تو خود اس کا بٹیا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر میں کھڑا کر دے اور دونوں کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رک رک کر آہستہ آہستہ گفتگو کرتا تھا لیکن بڑھیا کی آواز بیا کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون کہا نہیں جس طرح چاہئے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو نگا بنا دیا ہے۔ اخیر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس دلا دی گی [1]۔

مامون کی آزاد پسند نے اس کے عمل کو بھی اصول انصاف میں نہایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔

ایک بار خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعوی دائر کیا۔ جس کی جواہدی کے لیے اس کو دار القضاۃ میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لاکر بچھایا کہ خلیفہ اس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا یہاں آپ اور مدعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ برا نہ مانا بلکہ اس کے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کر دی [2]۔

---

[1] واسطۃ السلوک فی احوال السلوک۔ عقد الفرید جلد اول ص ۱۲

مامون کی فیاض لائف پر اگر نکتہ چینی ہوسکتی ہے تو یہ وہ سکتی ہے کہ اس کا رحم وانصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ اس نے اپنے ذاتی حقوق کو بلکل نظر انداز کر دیا تھا۔ مدزبان شعاء اس کی ہجوئیں لکھتے تھے مگر خبر نہیں ہوتی تھے خدا اس کا خدام گستاخیاں کرنے تھے لیکن اس کو پرواہ نہیں ہوتی تھی وعبل نے ایک ہجو میں اس کی نسبت لکھا۔

شادو بذکرک بعد طول خموله   واستفذوك من الحضيض الا وهدى

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بکل بجھا ہوا تھا شہرت دیدی اور تجھ کو پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھا دیا۔ مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہ "وعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آئی۔ میں گمنام کس دن تھا پیدا ہو تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اسی کی چھاتیوں کا پیا[2]

ایک بار مامون کا چچا ابراہیم شاکی ہو کہ وعبل کی بدزبانیاں حد سے گذر گئیں۔ میری ایسی بری ہجو لکھی ہے جو کس طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھ اشعار بھی سنائے۔ مامون کہا چچا جان۔ اس نے میری ہجو اس سے بڑھ کر لکھی ہے اور چونکہ میں نے درگذر کی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایسا کرینگے وعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا اور برتالاں تھا۔ ابوسعید مخزومی تے چند بار مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذ کہاں تک مامون نے کہا اچھا اگر بدلہ ہی لینا ہے تو تم بھی اس کی ہجو لکھو مگر صرف یہ لکھو کہ عبل لوگوں کی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے۔

---

[1] اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا اور ہجو گوئی میں مشہور تھا۔

مامون اکثر کہا کرتا تھا مجھ کو عفو میں جو مزا آتا ہے اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفہ لیکر آئیں۔

مختلف وقتوں میں وزراء خاندان خلافت حکام عمال کی شکایت میں داد خواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامونؔ نے ان پر اپنے خاص لفظوں احکام لکھے ہیں ان میں سے چند اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو عرض نہیں۔ صرف یہ بتا دینگے کہ کس کی نسبت تھی لیکن جو احکام میں وہ مامون کے خاص الفاظ میں جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ تم کس میں سے ہوں۔
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے داوازہ پر تیرا شاکی موجود ہو گا تجھ کو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگئی۔
ابوعباد کی نسبت	اے ابوعباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے
ابوعیسیٰ کی نسبت جو	فاذا انفخ فی الصور فلا انساب بینھم یعنی جب نفخ صور ہوگا تو نسب جاتے رہیں گے۔

حمید طوی کی نسبت	اے حمید۔ تقریب درگاہ پر نہ پھولنا حق میں تو اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں۔
ما بن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا بے تمیز اور دشت خو ہونا تو میں نے گوارا کیا لیکن رعایا پر ظلم کرنا میں نہیں برداشت کر سکتا ہوں
عمرہ بن مسعد کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اس کا ڈھا دینے والا ہے

اس موقع پر جب ہم مامون کے اعدل و انصاف کی داستانیں سنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے اس عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر وقیقہ میں نگاہ ڈالیں کیونکہ عام خیال انصاف اور بغاوت کو ہمعصر نہیں فرض کرسکتا مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیوں سے مملو ہے لیکن جو کچھ ہوا اتفاق واقعات کا نتیجہ تھا۔ اور ورنہ اس خصوص میں اس کا دامن انصاف ہر ایک کے داغ سے پاک ہے۔

ہارون رشید کا دربار دو مختلف قوتون یعنی عرب اور ایرانی نسل سے مرکب تھا۔ یہ وراثت اس کے دونوں بیٹے مامون و امین منقسم ہوگئی۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا۔ اس کا وزیر بھی مجوسی تھا۔ تقسیم کی رو سے ملک کے جو صوبے ملے وہ بلکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو۔ امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ فقطاً ہمت ہار چکا تھا۔ لیکن ذوالریاستین جو اس کا ندیم و وزیر تھا ثابت قدم رہا اور اپنے حسن تدبیر سے آخر کامیاب ہوا۔ مامون نے بے شبہ اس کے صلے اعتدال سے کچھ بڑھ کر

مراعات کی اس کو بیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا۔ لیکن مامون کو اس کی وجہ سے اس واقع کی اطلاع نہ ہو سکی کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کر دئے تھے۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے ہمشیہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور تمام ملک بلا دیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی۔ وہ صرف عباسی خاندان تھا لیکن مامون نے حضرت امام علی رضا کو ولیعد بنا کر یہ بات بھی کھو دی مدت تک بغاوت کا سلسلہ قائم رہا اور اس وجہ سے طول پکڑتا گیا۔ کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یونہی نرم دل اور فیاض طبع تھا اس پر شیعہ پن کے پرتو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جس کے شخصی حکومتوں میں ہو کرتی ہیں۔ ہم کو ایشائی کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرتے۔ اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ اس وقت رعایا سے ہتھیار لینے کا کوئی قانون نہیں تھا۔ اور اس وجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔

ان سب پر اتنا مستزاد کرنا چاہیے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کیے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آب تک اطاعت کے حلقے

سے آزاد رہتی آئی ہے اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاسین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا۔ خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا۔ نہ ذوالریاستین اپنی خودسری سے باز آسکتا تھا نہ اہل عرب اس کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا کہ بقائے خلافت اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہوگیا تھا۔ مامون نے بے شبہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کر دیا۔ اور اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہم مامون کو اس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اس کا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ ذوالریاستین کے قاتلوں کو کیوں قتل کر دیا گیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں۔

ایک بار مامون نے احمد بن داود سے مخاطب ہو کر ایک نہایت پولٹیکل تقریر کی تھی جس کا اس پر نقل کرنا نہایت موزوں ہے اس نے کہا بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کیساتھ جو باتیں کر گزرتے ہے۔ عوام ہرگز اس کا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں ان کے بارے سے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہوسکتی وہ رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد تنگدلی کی وجہ سے کیا تا لیکن ان کو معلوم ہے کہ اس کے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز یا نائب سے گذر کر سکتا ہے مجبوراً وہ کر گذرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو گیا خواص بھی اس کو معذور نہ رکھیں گے لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کر

سکتی[1] شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا لیکن وہ اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا بنو امیہ اور عباسیہ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا، اگرچہ افسوس ہے۔ کہ کامیاب نہ ہو سکا اس نے بڑی تحقیق اور تجربے کے بعد ایک ایسے برگزیدہ[2] شخص کو ولیعہدی کیلئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی کچھ وسطہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ خاندان عباس ان کے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا یہی بات تھی کہ ان کے انتخاب پر آل عباس دفعتاً برہم ہو گئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا گئیں تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اس کو کرنا چاہیے تھا۔

جب انکو زہر دیا گیا اور مامون کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندن ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبوراً اس نے بھی وہی کیا جو اس کے اسلاف کرتے آئے تھے۔ تاہم اس بات سے کہ اس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی اپنے بھائی کو منتخب کیا۔

ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے گویا مامون کی اولاد خلافت کے قابل تھی مگر اس میں شک نہیں کہ اس کا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فائق رکھتا تھا۔

---

[1] رسالہ حکم و آداب ۶۰ [2] حضرت علی رضا مراد ہیں

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہود محسوس۔ عیسائی۔ لامذہب وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے خاص دار الخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب وملت کے علماء وفضلاء حاضر رہتے تھے اور مامون ان کے ساتھ نہایت عزت وتوقیر سے پیش آتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اس کی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہوا[1]

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اس کا پرنسپل یعنی مہتم اعظم ایک عیسائی مقرر کیا جس کا نام بیسوع[2] تھا اس کی بے تعصبی کے ثبوت کیلئے ہم ذیل کی حکات کافی سمجھتے ہیں جس کی مثال آج بھی کسی مذہب ملک میں نہیں مل سکتی

عبدالمسیح ابن اسحٰق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معتزلی عہدے پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔

اس ہاشمی نے عبدالمسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط

---

[1] طبقات الاطبا ترجمہ جبرئیل بن بختیشوع [2] انسائیکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ ذکر مامون الرشید۔

افسوس ہے ان باتوں پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے اور وہ تاریخی تصنیفات میں بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کر جاتے ہیں جسکی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین۔

لکھا کہ اگر آپ اسلام قبول کر لیں تو خوب ہو۔ مجھ کو افسوس ہے کہ ایسا سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے اب تک آپ مائل نہیں ہوئے۔ اس خط کے جواب میں عبدالمسیح نے جو کچھ لکھا کوئی شخص جب تک خود دیکھ نہ لے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس برگزیدہ راہنمائے خلق یعنی محمد مصطفےٰ اور قرآن کے متلق وصابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سنکر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے بمقام لندن مطبع گلبرٹ اور ردنگٹن۔ تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے میں نے خود اس کو دیکھا اور ناظرین کو یقن دلاتا ہوں کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا تھا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھ کر صرف اتنا کہا کہ جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زرتشت کا مذہب ہے اور محض آخرت کے لئے میفد ہے وہ عیسائی مذہب ہے لیکن دین و دنیا میں دونوں کیلئے جو مذہب موزوں ہے وہ اسلام ہے۔

ان باتوں پر بھی ہم مامون کی تاریخ کو بیداغ نہیں کر سکتے ہیں ہم کو ڈرامے کہ آگے چل کر جہاں مامون کے مذہب کا ذکر آئے گا ایک خاص مسئلہ میں اس کا مذہبی جنون دیکھ کر شاید ناظرین اس کی تمام خوبیاں دفعتاً بھول جائیں۔

ذوق علمی۔ رصد خانہ زمین کی پیمائش۔ فنون فلسفیہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پر زور بغاوتوں۔ روم کی مہمات۔ بار

انتظام اتنے کام تھے جو مامون کے روزانہ اوقات اور دل و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اس کے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اسکو مبارکباد کہ آج عراق۔ حجاز شام۔ مصر۔ سب آپ کے زیرنگین ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عم ہونیکا شرف ان سب پر مستزاد ہے مامون نے کہا ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں۔ اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہوا اور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ راویت کی الخ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا اور دن رات اسی تذکرے میں بسر کرتا تھا۔ اس کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے آستینوں پر اقلیدس کے مقابلہ اولے کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوتا تھا کیونکہ یہ شکل نہایت مرغوب تھی۔ اسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل مامونی کہتے ہیں۔ غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اس کے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوتی ہو۔

ہارون الرشیدہ کا قائم کیا ہو بیت الحکمت موجود تھا جس میں پارسی عیسائی یہودی۔ ہندو مترجمین نوکر تھے اور وفنون حکومت کے متعلق

ایک طرف پامر صاحب جنکی عربیت کا ہم کو بھی اعتراف ہے اور جنکی نظم ونثر عربی وفارسی کا مجموعہ حال میں چھاپا گیا۔ تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں کہ وہ اسکے بیہودہ درباریوں نے یہ بات اسکے ذہن نشین کردی تھی بلکہ کل پیرو اسلام اس بات کو اسوقت میں اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جاسکتا"

تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن اب تک جو سرمایہ جمع ہوتھا وہ مامون کے شوق علمی کیلئے کافی تھا۔

ایک رات خوب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرماہے۔ مامون نے نزدیک جاکر پوچھا آپ کا اسم مبارک تخت نشین نے کہا ارسطو مامون پر خوشی کی ایک عجیب کیفت طاری ہوئی پھر عرض کیا کھضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے خیال ارسطو نے جواب دیا جس کو عقل اچھا کہے دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت ارشاد ہو جواب ملا توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دینا!

مامون یونہی فلسفہ پر مٹا ہو تھا۔ ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جس قدر تصانیف مل سکیں۔ دارالخلافۃ کو روانہ کی جائیں یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط قیصرہ فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے محیط اور عام اتہام کی جرأت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی جس تاریخ پر انکو ناز ہے۔ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پامر صاحب اگر یہ بات یادرکھتے تو اچھا ہوتا کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمند کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی تو جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چرچ اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھدیا وہ خلفاء راشدین تھے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے راہنمائے کل مانے گئے ہیں کیا عمر بن عبدالعزیز جنھوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ "ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کرلیا تھا وہ ڈھادیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں[1] عمر ثانی نہیں تسلیم کیے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھوں کروڑ و مسلمانوں کے جائز مقام مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں دارالخلافت بغداد

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵

ارشاد پر مستعد ہو مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا بڑی تلاش سے ایک رہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنین کے زمانہ سے مقفل ہے اور جس نے تاجدار اس کے بعد تخت نشین ہوئے قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے قسطین نے فلسفہ کی کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اس مکان بند کر دی تھیں کہ فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اٹھانے پڑیں گے۔

راہب کی ہدایت پر یہ خطر خزانہ کھولا گیا تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہباً ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے متفق اللفظ عرض کیا کہ کچھ مضائقہ

میں سینکڑوں ہزاروں عالیشان سے گرجے نہیں تعمیر ہوئے جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں ہم پامر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر انکو شبہ ہو تو دیر الروم دیر اشمونی۔ دیر الثعالب۔ دیر ورثا۔ دیر درمالس۔ دیر سمالو۔ دیر غداری۔ دیر العارصیہ۔ دیر الزریقیہ و دیر الزمذرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھیں[1] عضد الدولہ دیلمی کو دیلمی خاندان سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اسکا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا اسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[2]

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہنچاتے تھے لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہمکو معلوم ہے کہ علی بن سلمان گورنر مصر نے مصر کے تمام گرجے ڈھا دیئے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے جو خاندان عباسی سے تھا اور ۱۷۱ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا خاص سرکاری خزانہ سے

---

[1] بغداد میں عیسائیوں کے اور بہت سے گرجے تھے لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجو نکے نام لکھے ہیں۔ بعض گرجے خاص خاص تیوہاروں کے لیے مخصوص تھے جہاں اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہب ادا کرتے تھے

[2] روضۃ الصفاء۔ حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولۃ

نہیں فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو ان کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لاد کر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمے پر یعقوب ابن کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کیلیے جاننے اور تحقیات علمی میں عموماً بے نظیر مانا جاتا تھا۔ مامون نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنان بن البطریق اور سلمہ کو جو بیت الحکمۃ کے مہتمم اور افسر تھے۔ اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں اٹھا کر کے لائیں۔ آمینہ

کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں کون گورنمنٹ اس سے بڑھ کر دے سکتی ہے۔ تاریخ ابن خلکان۔ وفات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں۔ جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر فائز رہے ہیں آغاز اسلام سے عبدالملک بن مروان کی سلطنت تک شام۔ عراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ سفید کی مالک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملے گی۔ سینکڑوں عیسائی اور یہودی علماء جو عباسیوں کے دربار میں تھے انسے خلفاء کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا اسکو ہارون الرشید نے علاوہ بیشمار جاگیروں اور صلو نکے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنا چاہتا تھا اسکو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا اسکا بیٹا بختیشوع جاہ و منزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس و آرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا[1] خلیفہ معتصم باللہ حکیم سلمویہ [2] کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا اور جب اس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ دارالخلافہ میں لا کر رکھا جائے اور اسکے

---

[1] دیکھو نجوم ظاہرہ فی تاریخ مصر والقاہرۃ واقعات ۱۷۱ ہجری

[2] طبقات الاطباء ابن ابی اصیبعہ میں جبرئیل اور بختیشوع کے حالات

مصر۔ شام سپرس۔ اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کیے کہ جس قدر صرف سے اور جسطرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہنچائیں۔ اسی زمانہ میں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کی اس کا حال معلوم ہو تو بلا بھیجا اور بیت الحکمتہ میں ترجمے کے

---

[1] اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ بن ابی صیبعہ نے حنین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے۔ مین نے جو روایت لکھی وہ نامہ دانشوران ناصری سے لکھی ہے۔ عزیز بخور وشمع کیساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اس پر نماز پڑھی خلیفہ معتضد باللہ کے دربار مین جہاں تمام وزراء اور امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیراعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ ہاتھ مین ہاتھ ڈال کر ٹہل رہے تھے کہ دفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا ڈرو نہیں میرا ہاتھ اوپر تھا۔ مین نے یہ گستاخی پسند نہ کی اہل علم کا ہاتھ اوپر ہونا چاہیے۔" ابتداء میں مسلمانوں نے اپنی قوموں سے علوم وفنون سیکھے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہنچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے انکو علوم وفنون کی تعلیم دیکر شاگردی کا حق ادا کیا۔ انکا باہمی اخلاص اور آپس کی دوستانہ گرم جوشی آج بھی تعجب سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ شریف الرضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوائے مذہبی ہیں۔ ابواسحق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اسکا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا تو اس سے زیادہ دردانگیز اور پر اثر نہ لکھتا۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابواسحق صابی کے مزار سے گزرتے تھے تو ہمیشہ اسکی تعظیم کیلیے سواری سے اتر پڑتے تھے اور اسکی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گذرتے تھے [1] ہم کو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر لکھا تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے ناظرین معاف فرمائیں لیکن یہ خیال رکھیں کہ میری بحث کے مخاطب صرف پامر صاحب نہیں ہیں۔ یورپ میں انکے اور بھی بہت ہم زبان ہیں اسی لیے اس بحث کو طول دیا۔

---

[1] دانشوران ناصری تذکرہ ابواسحق صابی۔ نامہ دانشوران میں اس مرثیے کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں

کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم وفنون کے ترجمے کی خدمت دی![1]

مامون کی التفات اور توجہ دیکھ کر تمام دربار میں یہ جوش پھیل گیا محمد واحمد وحسن نے جو مامون کی التفات میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکیمہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔ دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنے کیلیے نوکر رکھا تھا۔ جبریل بن بختیشوع المتوفی ۲۱۵ھ جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا اس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔ ہارونی ومامونی فیاضیوں نے مالی ودولت کے اعتبار سے اس کو ایک مستقل والی ملک بنا دیا تھا[2] اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی۔ فارسی کالڈی قبطی۔ شامی زبانوں کی تھیں۔ جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ چونکہ مامون کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے۔ اسی مذاق کے تحائف وہدایا بھجتے تھے۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے مشہور حکیم دربان کو

---

[1] یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' میں لکھ چکے ہیں اور اس کو کسی قدر تغیر کیساتھ نقل کر دیا ہے۔

[2] علامہ ابن ابی صیبعہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی ومصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے جو جبریل کے مرنے کے بعد اسکے خزانے میں پایا گیا تھا۔ ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مدات لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ خاندان عباسی نے کسی بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کیے تھے اور یہ کہ ان کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں۔

تفصیل آمدنی۔ ''عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار لباس کے لیے پچاس ہزار درہم ماہوار خوراک کے لیے پانچ ہزار درہم ماہوار۔ روزہ کے آغاز

اس کی خدمت میں بھیجا اور خط لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر مفید اور نامور اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کسری میں ایک صندوق مدفون ہے جس میں نوشیرواں کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے مامون سے کہہ کر اسے صندوق منگوایا۔ کھولا گیا تو دیبا کے ٹکڑے میں لپٹا ہو قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا مامون نے اس کا ترجمہ سنا تو نہایت متاثر ہوا اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا خدا کی قسم کلام اس کو کہتے ہیں۔ وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں[1]۔

حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ ابو حسان۔ سلمان جین بن اسحاق سہل بن ہارون۔ ابو جعفر یحییٰ ابن عدی۔ محمد بن موسیٰ خوزامی۔ حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر۔ علی ابن الصباس بن احمد جوہری یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر یحییٰ بن ابے المنصور۔ مامون کے دربار میں مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتم تھے۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آج کل کے حساب سے ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ

(بقیہ حاشیہ) میں پچاس ہزار درہم فطر کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم۔ دوا پلانے کیلئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم۔ اسکے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روزینے مقرر تھے انکی یہ تفصیل ہے۔ زبیدہ خاتون پچاس ہزار درہم سال۔ عباسیہ پچاس ہزار درہم فاطمہ ستر ہزار درہم۔ عیسیٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم۔ ابراہیم بن عثمان تیس ہزار درہم۔ یحییٰ بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم سال۔ جعفر برمکی بارہ لاکھ درہم۔ فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم۔ فضل بن ربیع پچاس ہزار درہم۔

[1] واسطۃ السلوک

منصور کے عہد سے شروع ہوا اور ایک مدت تک اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی دسسلی واسکندریہ کا کوئی علم ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز بازگشت آج تک آرہی ہے۔

لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے مامون کے اور عباسی خلفاء مثل ہارون الرشید و امین و معتصم وغیرہ علوم فلسفیہ سے محض ناواقف تھے اور اس وجہ سے ان کے اہتمام وتوجہ کا اثر وہ نہیں ہوسکتا تھا جو ایک ماہر فن کا ہوسکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی یہ رتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم وزباندان ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اسکے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانون میں ارسطو کا ہم پلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حنان نے لکھا ہے کہ ''اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی بھی فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا۔ وہ طب حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع۔ اعداد ۔ نجوم۔ کا بہت بڑا ماہر تھا۔[1]

ان علوم میں اسکی مستقل تصنیفیں موجود ہیں۔ علامہ ابن اصیبعۃ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں اسکی مفصل فہرست لکھی ہے جس میں دو سو بیاسی کتابوں اور رسالون کے نام ہیں۔ ان میں سے بعض میں اسنے

---

[1] طبقات الاطباء حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے اسی معتمد کتاب سے لکھا ہے جو اپنے طب میں ایک بے نظیر تصنیف ہے۔ ۱۲

یونانی حکماء کی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ بعض رسالوں میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بعد معلوم ہو سکے۔ اس قسم کے اور جدید آلات پر اسنے رسالہ لکھے ہیں علوم فلسفیہ کے ترجمے میں اس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم فن سے مجتہد نہ واقفیت رکھتا ہو اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گذرے۔ "یعقوب کندی۔ حسنین بن اسحٰق۔ ثابت بن قرۃ۔ عمرو بن الفرخان الطبری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں اور اسوجہ سے اسکے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یعقوب کندی کی خاص تصنفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں اور جب تک حکیم ابونصر فارابی کی تصنیفیں شائع نہیں ہوہیں اس کا تمام ممالک فارس وخراسان وعراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں سے حسنویہ نفطویہ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو علمی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا اس نے اکثر رسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے کیے اور شرحیں لکھیں۔

مامون کے دربار کا دوسرا مترجم حسنین[1] بن اسحٰق جس کا نشوونما مامون ہی کے عہد میں ہوا ترجمہ کا نامور ہیرو ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی جو لغات عرب کا پہلا مدون اور فن عروض کا موجد ہے۔ یونانی زبان بلاد روم میں جا کر سیکھی۔ اولاس نے جبریل بختیشوع

---

[1] حسنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطباء میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے

کی خدمت میں رسائی حاصل کی۔ رفتہ رفتہ دربار خلافت میں پہنچا مامون نے اسکو ترجمے کے کام پر مامور کیا اور زر و مال سے مالا مال کیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمے کے عوض سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حسنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح کی ہے علامہ ابن ابی صبیعۃ نے کتاب طبقات کتاب الاطباء میں جو ۶۴۳ھ ہجری میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اسکے کاتب ارزق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور جن پر مامون الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا۔ ابن ابی اصبیعۃ کا بیان ہے کہ ''یہ ترجمہ کی کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں۔ کاغذ بھی نہایت گندہ تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اسکو چاندی ملتی تھی'' علمہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس قدر گندے اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آج تک یہ کتابیں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ علامہ بن ابی صبیعۃ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں کے نام اور انکے مضامین لکھے ہیں پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں۔ حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تفصیل کی ہے اور کہا کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہنچائیں اور ان کے ترجمے کیے۔ وہ لکھتا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین مصر۔ اسکندریہ اور تمام ممالک اسلام میں پھرا۔ لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا'' جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کیے۔ مثلاً الطاف ابن کلی

بطریق ابوسعید عثمان دمشقی۔ موسیٰ بن خالد۔ لیکن حنین کے ترجموں سے انکو کچھ نسبت نہیں ہے۔ علامہ بن ابی صبیعۃ نے موسیٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے۔ ان کا بیان ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اسکی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے جس کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

حسین کا نامور فرزند اسحٰق اور اسکا بھانجا جیش۔ ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی ارسطو کی اکثر فلسفی تصنیفات اسحٰق نے ترجمہ کیں۔

قسطا بن لوقا بعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا ابن الندیم کا بیان ہے کہ طب فلسفہ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی میں مہارات کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا۔ علامہ ابن ابی اصبعۃ نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی اسکے علاوہ وہ خود بھی تصنیفات تھا۔

طبقات الاطباء میں اس کی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

خاص مامون کے عہد میں جس قدر کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان پر جوشرح وحواشی لکھے گئے ان کی فہرست کے لیے ایک مستقل رسالہ درکار ہے۔[1]

[1] تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف مامون الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ علم حکمت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یونان کی عمدہ اور منتظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئی اور جس قدر ہوئیں ان میں اکثر غلطیاں رہ گئیں۔ میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء وطبقات الاطباء لابن ابی صبیعۃ غور سے پڑھنا چاہیے تھا۔ میں کئی سو تصنیفات کے ترجمے کا نشان دے سکتا ہوں۔

مامون جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا اس کے شوق تحصیل کو اور ترقی ہوتی گئی اور زیادہ تر تحقیق و تجربے پر مائل ہوا۔

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی وہ اس عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش سے لکھی یہ تصنیف آج بھی موجود ہے۔ اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سنکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ یونانی کتب حکمت میں اس نے پڑھا تھا کہ کرہ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت دان ماہر فن میں ان کو ساتھ لیں اور کسی ہموار وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرہ زمین کی پیمائش کریں سنجار کا مسطح اور میدان اس تجربے کیلئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعہ سے قطب شمالی کی سمت چلے رہی جہاں ختم ہو گئی۔ وہاں ایک کھونٹی گاڑ دی اور لمبی سی رسی اس میں باندھ ٹھیک شمالی چلے سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی اس کی مساحت کی تو ۲۲ میل اور دو ثلث میل ٹھہری۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۲۲ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اس طرح رسیاں باندھ گئے یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو

معلوم ہو کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھہری تھی اُس کو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجہ اسی قدر قرار دیے گئے ہیں اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھہرا

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانہ کی بنیاد ڈالی اور پیش بہا لات رصدیہ مہیا کئے وہ یہی مامور خلیفہ مامون ہے۔ اس کام کیلئے اُس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت وہندسہ کے ماہرین فن طلب کیے۔ اور ۲۱۴ھ[1] میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصد خان قائم کیا۔ جس کے مہتمم یحیےٰ ابن ابی المنصور اس المنجمین خالد بن عبد المالک مروزی۔ سند بن علی۔ عباس بن سعید جوہری اور چند ریاضی دان علماء تھے نہایت بیش بہا آلات رصدیہ تیار ہوئے اور آفتاب کے میل کی مقدار اس کے مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع اور چند سیارات وثوابت کے حالات دریافت کیے گئے [2]

مامون کے زمانہ تک جس زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوازمی نے جو زیچ ترتیب دی اسکی شہرت مقبول نے اوروں کا نام مٹا دیا۔ یہ زیچ دنیا کی تمام مستند زیچوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیچ کے مطابق رکھتے تھے تعدیلین فارس کی تحقیقات کے موفق تھیں اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی اسکے ساتھ ترتیب وتقریب کے متعلق خود پسند ایجادی کی تھیں۔

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن موسے۔ ۱۲

[2] کشف الظنون ذکر الرصد ۱۲

مامون کے ایک دوسرے منجم حبش حاسب مروزی نے بھی تین زیجیں تیار کیں[1] مگر ان میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروائے وقت اسکا قدردان ہو لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہو گئی تھی۔

اسوقت تک مسلمانوں میں عزم وثبات کا عام مادہ تھا اور ہر شخص کا دل جوش اور امنگ سے لبریز تھا۔ یہ سرگرم طبعیتیں جسطرف رخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی تھیں اسکے ساتھ مامون کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھائے۔ اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا۔ اس کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی ملک میں کمال کا عام رواج ہو گیا۔

۲۰۴ھ میں جب وہ بغداد پہنچا تو قاضی یحیٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء وفضلاء میں سے بیس شخص انتخاب کیے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں۔ فرمین بھیجکر ہر جگہ سے ادیب۔ فقیہ۔ شاعر متکلم۔ حکیم طلب کیے اور معقول تنخواہیں مقرر کیں۔

اصمعی کو جو ایک اعجوروزگار شخص اور لغات عرب میں قریبا ایک خمس اسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا۔ مگر چونکہ اسنے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا اس لیے حکم دیا کہ نحو اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علماء حل نہ کرسکیں۔ اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں۔ شاہ یونان کو خط لکھا کہ حکیم لیو کو اجازت دیجاوے کہ مجھکو

---

[1] کشف الظنون ذکر زیج حبش الحاسب ۱۲۰

یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے۔ جس کی عوض میں صلح دوامی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں۔

فرانحوی کو علم نحو کے ارکان میں شامل کیا گیا ہے حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمامی اصول کو حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے ایوان ان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا اور خدام وملازم مقرر ہوئے کہ فرا کو کسی ضرورت کے لیے کچھ کہنا نہ پڑے صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ وقت ہوا بہت سے کاتب اور ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھ فراتا جائے لکھتے جائیں۔ دو برس کی بہت سی نقلیں لکھو کر کتب خانوں میں بھیجیں جائیں اس کتاب کا نام الحدود ہے۔ فرا نے اسکے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور پر لکھوائے۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اسکے لکھنے کیلئے ہر روز فرا کیخدمت میں حاضر رہتے تھے میں نے ان سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسی ۸۰ تھے[1]

مامون کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے میں ہوئی گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہنچ چکی تھی لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع المنظر مصنف تذکروں کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے فارسی لٹریچر پر خلافت مامون کا یہ ابدی احسان ہے کہ اس مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ مامون کی زبان مادری فارسی تھی اس کا ابتدائی زمانہ

---

[1] مرآۃ الجنان یافعی۔ وابن خلکان ترجمہ فراء نحوی ۱۲ [2] تذکرہ مجمع الفصحا ذکر عباس مروزی۔ ۱۲

بھی خراسان میں بسر ہوا لیکن دربار میں صرف شاعر اتھے جو جشن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھ کر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے۔ اسبات نے عباس مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک کے ساتھ حوصلہ دلایا کہ ملک کی مردہ شاعری کو پھر زندہ کرے مامون کی مدح میں اسنے ایک قصیدہ لکھا جس کے شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین
گسترانیدہ بفضل وجود درعالم یدین
مرخلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را
دین یزداں را تو بایستہ چورخ راہر دو عین
کس بدیں منوال پیش از من چند شعری نگفت
مرزبان پارسی راہست با ایں نوع بین
لیک ازاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت
گیرد از مدح وثنائے حضرت تو زیب دین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا جب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر اپنے ملک کی زبان کو اس سے آزاد کرنا چاہتا ہے اور نہیں کر سکتا۔

مامون کے عہد میں علم خط نے بھی ایسا کا ایک بڑا جوہر ہے نہایت ترقی حاصل کی۔ اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے۔ منصور مہدی عباس کے زمانے میں اسحٰق بن حماد مشہور خوشنویس تھا۔ اس کے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کیے تھے لیکن اسوقت تک کسی نے اس

---

۲ تذکرہ مجمع الفصحاء ذکر عباس مروزی ۱۲

فن کے اصول وضوابط نہیں لکھے تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے اسوقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اس کے اصول وقاعدے منضبط کیے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا جو اسکی منسوب ہوکر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

مامون کا فضل وکمال علمی مجلسیں‘ اہل علم کی قدردانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گزرا جو فضل وکمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اسکو خلفا وسلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری ایام العرب فقہ فلسفہ کونسی بزم ہے جہاں فخر وشرف کے ساتھ اسکا استقبال نہ کیا جاتا قریباً پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا علما جو اسکی تعلیم مقرر ہوئے ہر ایک لگانہ وقت تھا۔

یزیدی جسکو تعلیم کیساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب مدون سے اسکا استاد تھا لغت میں کتاب النوادر یزیدی کی تصنیف ہے وہ ۲۰۲ تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اسکی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ مامون کا دوسرا استاد کسائی نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے

امام مالک جو فن حدیث میں مامون کے استاد تھے مشہور امام ہیں۔ آج دنیا میں سنی فرقے کے لوگ قریباً ایک ربع انہیں کے مقلد اور پیرد کار ہیں۔

مامون کے استاتذہ اور طالب العلمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ ناظرین کتاب کے حصہ اوّل میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں ان صفحون کو ایک بار اور الٹ کر دیکھ لیں۔ ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں مامون کی جامعیت اور فضل وکمال کا اندازہ ہوسکتا ہے

ایک دن علما کا مجمع ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے ایک عورت فریادی آئی کہ مرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا ہے مگر لوگوں نے ترکہ میں ایک ہی اشرافی دلوائی۔ مامون نے ذرا دیر دل میں حساب لگایا دیکھا تو سہام صیح تھے۔ عورت سے کہا ہاں اتنا ہی ملنا چاہیئے۔ اس غیر متوقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علماء نے پوچھا امیر المومنین کیونکر مامون نے کہا متوفی کی دو بٹیاں ہونگی دو ثلث یعنی چار سو تو ان کو ملیں بھی ہوگی۔ جسکو سدس یعنی سو اشرافیاں پہنچیں۔ زوجہ کو ثمن یعنی ۷۵ ملا ہوگا ۲۵ باقی رہے مامون نے عورت کیطرف مخاطب ہو کر کہا سچ کہنا تیرے بارہ بھائی ہیں عورت نے تسلیم کیا ہاں۔ مامون نے کہا دو دو انکو ۲۴ ہوئیں۔ ایک باقی رہی وہ تیرا حق ہے۔[1]

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محدث اور اسی فن میں کل زندگی بسر کر دی۔ مامون نے کہا اس مسئلے کے

---

[1] تاریخ الخلفاء۔ سیوطی

متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بھی نہ بتا سکا۔ مامون نے بیسیوں روایتیں بیان کی اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا کہ احباب میں ہشیم نے یہ کہا حجاج نے یہ روایت کی ہے۔ ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے پھر اس شخص سے ایک دوسرے مسئلہ کو پوچھا وہ اب عاجز رہا مامون نے اسیطرح حدیث پڑھ کر طریقے بیان کیے اور درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا لوگ تین حدیث پڑھ کر پھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں خیر تین درہم اسکو دلاؤ۔

ادب وشاعری میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرین فن اسکی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدما اور شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اسکو نوک زبان پر یاد تھے اور انساب میں اسکی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ تھی۔ علامہ یزیدی نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے لوگوں نے نہایت متعجب ہو کر کہا۔ کیا مامون سے بھی زیادہ یزیدی نے کہا۔ ہاں مامون نے ادب میں نجوم اور طب و منطق کو بھی ملا دیا تھا لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کیطرف توجہ ہی نہیں کی مامون کو اس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال تھا خود اسکی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو لکھا ہے اسکو حفظ یاد تھا اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اسکی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت موزوں اور طباع عطا کی شعراء اسکی زود فہمی اور نقطہ سنجی پر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ ایک موقع پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعہ ثانی

تاریخ الخلفاء۔ سیوطی ۔۱۲

شروع ہوتے پہلے مامون بتاتا گیا کہ ی قافیہ ہے اور اس پہلو سے بند ہوگا عمارت نے حیرت زدہ ہوکر کہا خدا گواہ ہے اب تک اس قصیدہ کا ایک بھی شاعر میں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ مامون نے کہا "تم کو معلوم ہوگا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا قصیدہ لکھا ہو پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے انہیں کا فرزند ہوں[1]۔ ایک بار اس نے محمد بن زیادہ اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نساب تھا پوچھا کہ ہند کے اس مصرعہ میں نحن بنات طارق (ہم طارق کی بیٹیاں ہیں) طارق سے کون مراد ہے محمد بن زیادہ بہت خیال دوڑایا مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور میں نہیں بتا سکتا۔ مامون نے کہا "یہاں "طارق" کے معنی ستارہ کے ہیں جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے والسماء والطارق نے شاعر فخریہ سے کہا اپنے کو ستارہ کیطرف منسوب کیا ہے"۔ محمد بن نے عرض کیا کہ کیا سند ارشاد ہو مامون نے کہا خود مجتہد الفن اور مجتہد (ہارون الرشید) کا فرزند ہوں۔ یہ کہہ کر فخر کے جوش میں عنبر کا ایک غلبہ جو ہاتھ میں لیے ہوئے تھا محمد کی طرف پھینکا محمد نے اس گرانبہا انعام کو جو پانچہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہوا[2]۔

مردان بن ابی حفصہ اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اسکو ایک قصیدہ پر اسپ خاصہ خلعت اور پانچہزار دینار انعام میں دیے تھے۔ چونکہ مامون باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا مردان اس امید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے اور مامون کو سنائے لیکن اسبات

---

[1] تاریخ الخلفاء۔ سیوطی۔ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی

کے مامون نے کچھ داد نہ دی نہ اس کے چہرے سے کچھ اثر ظاہر ہوا ۔ مردان کو سخت تعیب ہوا۔ دربار سے واپس آ کر عمارہ بن عقیل سے کہا کیوں تمہاری کیا رائے ہے میں تو خیال کرتا ہوں کہ مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے۔ (عمارۃ) این مامون سے زیادہ اور کون نقطہ سنج ہو سکتا ہے (مردان) مگر میں نے تو اسکے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا۔ اور اس ذرا جنبش نہ ہوئی۔

اضحی امام الهدی المامون مشتغلا
بالدین والناس بالدنیا مشاغیل

ترجمعہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں لیکن امام۔ راہنما۔ مامون دین میں مشغول ہے (عمارت) سبحان اللہ۔ اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ مامون نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے۔ اگر مامون (جو بار سلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا۔ اور کون ہوگا۔ (مردان) اب سمجھا کہ میری خطا تھی۔ [۱]

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے ثمامتہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے اگرچہ اس وقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا۔ جیسا جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا اور خصوصاً پولٹیکل موقع پر اسکی صدر بالکل ناپید ہوگئی تھی تاہم جمعہ اور عیدین میں ابتک فصحی اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے۔ لیکن آجکل کی طرح

---

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی۔

لکھ کر آموختہ نہیں سناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبانی اور برمحل کہتے۔ اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے کتاب العقد لابن عبد ربہ میں بالفاظہا سب مذکور ہیں مگر افسوس ہے کہ انکا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہوگا ناظرین میں سے عربی دان کتنے میں اور ترجمہ کیا جاوے تو وہ بات نہیں رہتی سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند رتبہ شاعر تھا۔ اس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمہ سے ہوسکتا ہے ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ [1]

لسانی کتوم لاسرارکم
میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے

ودمعی نموم لسری مذیع
لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کردیتے ہیں

فلولا دموعی کتمت الهوی
اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا

ولولا الهوی لم یکن لی دموع
اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے

انا المامون والملک الهمام
میں مامون ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں

ولکنی بحبک مستهام
لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں

اترضی ان اموت علیک وجدا

---

[1] یہ اشعار فوات الوفیات و تاریخ الخلفاء و کامل ابن الاثیر و عقد الفرید سے جمع کیے گئے ہیں۔ ۱۲

کیا تجھ کو پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مر جاؤں

ویقی الناس لیس لهم امام

اور دنیا بے امام کے رہ جائے

بعثتک مرتادا فقرت بنظرة

میں نے تجھ کو محبوب کی تلاش میں بھیجا تو اس کے دیدار سے کامیاب ہوا

واغفلتی حتیاسات بک الظنا

اور مجھے بھول گیا جس سے مجھکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی

فنا جیت من اهوی و کنت مبا عبدا

میرے محبوب سے تو نے سرگوشی کی۔ اور میں دور تھا۔

فیالیت شعری عن دلوک ماا غنی

ہائے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا۔

فیالیتنی کنت الرسول و کنتی

کاش میں ہی قاصد ہوتا۔ اور تو بجائے میرے ہوتا۔

فکنت الذی تقصی و کنت الذی ادنی

پس تو محبوب سے دور رہتا اور میں قریب ہوتا۔

اری اثر امنه بعینک بینا

بے شبہ تیری آنکھوں نے اس کی آنکھوں لے لیا ہے

لقد اخذت علیناک من عینیه حسنا

بے شبہ تیری آنکھوں نے اسکی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے

قاصد پر رشک کرنا شعر کا ایک وسیع مضمون ہے اور بہت سے نازک خیالوں سے اسکے مختلف پہلو نکالے ہیں عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے

بسوئے او نفرستم پیام ازاں ترسم   کہ بر حکایتِ من مطلع شود پیغام

مگر نقطہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندش میں جدت کے ساتھ بات نکالی ہے

ایک بار عید کے دن مامون کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ "بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے سوداوی کو وہ نافع ہے جس کو صفے کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے جو ثقیل غذا کا عادی ہے وہ یہ کھائے۔ مامون ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے قاضی یحییٰ بن اکثم سے نہ رہا گیا۔ بے ساختہ بول اٹھے کہ "امیر المومنین آپکی کس کس بات کی تعریف کی جائے طب کا ذکر ہو آپ جالینوس وقت میں نجوم کی بات چھڑے تو ہرمس فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضےٰ سخاوت میں حاتم۔ راست بیانی میں ابوذر۔ وفا میں سموٴل" اس سچی خوشامد سے مامون بھی پھڑک اٹھا اور کہا ہاں آدمی جو شرف ہے عقل سے ہے ورنہ خون اور گوشت میں کیا رکھے ہے۔

مامون کے بعض دل آویز قوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہو گا۔ جن سے اس کے لطیف اور اعلیٰ وفیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا۔ اور اس کا قوال تھا کہ "شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبا لے اور چھوٹوں سے خود دبے دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونے کے زیادہ پسند کرتا ہوں آدمی تین قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جن کی ہر وقت ضرورت ہے بعض منزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں انکی ضرورت پڑتی ہے اور بعض تو ایسے

---

[1] قاصد سے خطاب ہے ۱۲

ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں پسند نہیں بادشاہ کو لجاجیت نہایت نازیبا ہے اور اس سے زیادہ یہ نازیبا ہے کہ قاضی فریق کی تسکین نہ کر سکے اور گھبرا جائے اور ان سب سے زیادہ ناموزوں بوڑھوں کی ظرافت۔ جوانوں کی کاہلی سپاہی کی بزدلی ہے سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو۔

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شائق تھا مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا ”عرصہ کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کر سکتا۔

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اس کا دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی افضل ترین“ ایک بڑے معرکے مناظرہ ہے قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس کے مخالف تھے۔ اور ادھر مامون تنہا سب کا طرفدار مقابل تھا مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکوں کا پردہ اٹھا دیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی تھی۔ صبح سے قریباً دوپہر تک دونوں فریق نے دادِ سخن دی مگر انصاف یہ کہ میدان مامون کے ہاتھ میں رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقد میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ مامون کی وسعت نظر جودت ذہن کثرت معلومات حسن بیاں۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے یوں تو مامون کی عام مجلیس بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا جسکا طریقہ یہ تھا کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب وملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوئے۔ ایک پر تکلیف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھیے اور چاہیے تو پاؤں سے

موزے بھی اتار ڈالیے پھر دستر خوان جو مختلف اقسام کے کھانے داشربہ سے مزین ہوتا تھا بچھایا گیا کھانے سے فارغ ہو کر سب نے وضو کیا عود لوبان کی انگیٹھیاں آئیں کپڑے بسائے خوشبو ملی خوب مطیب و معطر ہو کر دار لمناظرہ میں حاضر ہوئے اور مامون کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا مامون خود ایک فریق بنتا تھا لیکن اس آزادی سے گفتگوئیں ہوتی تھیں کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس خلیفہ وقت بھی موجود ہے دو پہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ کھانا حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے[1] ان مجلسوں مین بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے مگر مگر مامون بڑے حلم و متانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد صولی نے علی کو سخت کہہ دیا علی نے برافروختہ ہو کر کہا اس وقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتے تو دو سنتے" اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتاً مامون کا چہرہ متغیر ہو گیا تاہم اسے ضبط کیا اور اٹھ کر زنان خانہ میں چلا گیا کہ بات کو ٹال جائے جب غصہ فرو ہو تو دربار میں آیا[2]

ایک دن ایک ثنوی المذہب[3] سے نہایت لطیف بحث ہوئی مامون نے اس سے پوچھا کہ انسان برا کام کرنے کے بعد شرمندہ ہو سکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں (مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا

---

[1] مروج الذہب مسعودی خلافۃ المامون

[2] آغانی جز ۱۲ صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ ۱۲۸۵ھ

[3] ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا الگ الگ خالق مانتا ہے

برا (ثنوی) اچھا ہے (مامون) جو شخص نادام ہو گناہ اس سے سرزرد ہوتا یا کسی دوسرے شخص سے (ثنوی) اسی سے (مامون) بس تو ایک شخص سے گناہ بھی ہوا اور ثواب بھی (ثنوی گھبرا کر۔ نہیں میں یہ کہوں گا کہ جو نادام ہوا اس نے گناہ نہیں کیا تھا (مامون) تو اس کو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کو (ثنوی) آخر لاجواب ہو کر ساکت ہو گیا۔[1] ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم تھا چوبدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازہ پر کھڑا ہے اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے مامون نے حکم دیا کہ "بلالو" آیا تو ہیت سے آیا جوتا ہاتھ میں اور پائچے چڑھے ہوئے صف نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا السلام علیکم ورحمتہ للہ مامون نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کے قریب آ کر بیٹھے۔ مامون سے اس نے پوچھا کہ خلافت آپ بزور حاصل کی ہے یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے سے آپ کو منتخب کیا ہے مامون نے کہا نہ زور سے نہ اتفاق رائے سے۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر حکمران تھا اور عامہ مسلمان جبراً یا طوعاً اس کے حلقہ بگوش اطاعت تھے اس نے ولیعہدی کے لیے عام بیعت لی اور اس وقت جو لوگ اسلامی اطاعت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت پر دستخط کیے۔ اور اس کے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا جس پر دینا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ ادھر ملک کے نظم ونسق کے لیے ایک انتظام کی ضرورت تھی ورنہ امن وامان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے مجبوراً سر دست یہ بار میں نے اپنے

---

[1] عقد الفرید

کر لیا اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کر لیں تو میں عنان حکومت اس کے ہاتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تم کو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھے کو خبر کرنا۔ [1]

ایک دن مامون یحییٰ اکثم سے جو قاضی القضا تھے کہا میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو حق حاصل ہے۔ معمول کے مواقع ممبر رکھا گیا اور مامون نے ممبر پر بیٹھ کر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا قریباً تیس حدثیں تحقیق وتنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اس نے جان لیا کہ لوگ متاثر نہ ہوئے۔ ممبر پر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مزا نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے لوگ مستحق ہیں جو اس کے ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے اور ممبر پر بھی بیٹھتے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے۔ [2] مامون کی راست پسندی کا اکبر شاہ کی خودرائیا اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے۔

ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا حاضر کیا گیا۔ اور حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت دان علماء بھی حاضر تھے مگر کسی کو اس کے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زائچہ دیکھ کر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ سب نے صحن میں جا کر طالع میں جا کر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے مشتری سنبلہ میں تھا اور اسی طرف ناظر

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔ تاریخ خلافت مامون [2] تاریخ الخلفاء سیوطی

تھا۔ زہرہ عطارد عقرب میں تھا اور عقرب کی طرف ناظر تھے اسی بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے صحیح ہوگا لیکن یحییٰ بن منصور نے لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری حبط میں ہے اور جس برج میں ہے اس کا ربہ ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بلکل زائل کر دی ہے۔ دونوں فریق قیاسات لگا چکے تو مامون نے کہا یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعویٰ کیا ہے یہ نبوت کا مدعی ہے'' حاضرین دربار اس سے یہ سن کر معجزہ کے طالب ہوئے۔ اور اس نے ایک انگوٹھی پیش کی کہ میرے سوا جو اس کو پہنے گا بے اختیار ہنسنا شروع کر دے گا اور جب تک اتار نہ ڈالے یہی حالت رہے گی لیکن اگر میں پہنوں گا تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ اس طرح اس نے ایک قلم دکھایا جس صرف وہ لکھ سکتا تھا اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ مامون سمجھ لیا یہ کوئی نادر علمی شعبدہ ہے۔

اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز نہ آجائے تو کام کا آدمی ہوگا۔ مامون نے اس کو اپنا ندیم بنا لیا اور اس قدر استمالت اور مراعات کی آخر اس نے اپنا راز بتا دیا اور انگوٹھی قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کر دی۔ مامون نے ہزار دینار انعام میں دیے اور مقربین میں داخل کر لیا[۱]۔ یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم الخناص اسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا۔

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۳ھ جو خلیل بصری کے شاگرد اور

---

[۱] مختصر الدول۔ حکمائے عہد مامون۔

حدیث فقہ نحو۔ غریب۔ شعر۔ ایام العرب میں استاد وقت تھے مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چونکہ مامون کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے اور مدت کا بوسیدہ قمیض وعبا زیب بدن کیے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (مامون) کیوں نضر! امیر المومنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نضر) مرو کی سخت گرمی کی حفاظت انہیں کپڑوں سے ہوتی ہے (مامون) یہ تو بہانہ ہے اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پر مرتے ہو۔ اس کے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔

مامون نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر سداد کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا فتحہ سے بیان کیا اور سداد کو بکسر پڑھا۔ مامون تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ دفعتاً سنبھل بیٹھا اور کہا کیوں کیا سداد بفتحہ غلط ہے؟ نضر ہاں ہیثم آپ کے استاد نے آپ کو غلط بتایا (مامون) کیا دونوں کے معنی مختلف ہیں (نضر) سداد بالفتح کے معنی راستی روی کے ہیں سداد بالکسر اس کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (مامون) کوئی سند بتا سکتے ہو (نضر) عربی کا یہ شعر موجود ہے

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھتہ وسداد ثغرہ

مامون نے سر نیچے کر لیا اور کہا خدا اس کا برا کرے جس کو فن ادب نہیں آتا۔ پھر نضر نے مختلف ہونے کے وقت وزیر اعظم فضل کے پاس رقعہ پڑھ کر کہا تم امیر المومنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہیثم نے کی۔ امیر المومنین پر کیا الزام ہے۔ فضل نے پچاس ہزار زر پر تیس ہزار اور اپنی طرف سے مزید کیے اس طرح ایک غلطی بتانے کے صلہ میں نضر

نے اسی ہزار حاصل کیے۔ تاریخ الخلفاء

کلثوم زعیاتی جس کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا اور بجا بھی تھا۔ مامون کی پایہ شناسی کی شہرہ سنکر بغداد پہنچا۔ اور دربار میں حاضر ہوا مامون نے مزاج پرسی کی اور حالات پوچھے کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی مامون بھی حیرت میں رہ گیا اور حکم دیا کہ ہزار دینار اس کے سامنے لاکر رکھیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحٰق موصلی کی طرف اشارہ کیا کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائے۔ اسحٰق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو کی اور اس نے اعتراضات کا تار باندھ دیا کلثوم بلکل حیرت زدہ گیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہوسکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحٰق کی طرف متوجہ ہو کہ آپ کا نام و نسب تو ظاہر ہے مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے (اسحٰق) کل بصل[1] کلثوم سنے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے یہ ظاہر کہ لہسن سے پیاز بہر حال اچھی اہے۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی بھڑک گیا اور مامون سے درخوست کی ہزار دنیار جو مجھ کو عطا ہوئے اس کو دلائے جائے مگر مامون کلثوم کا انعام مضاعت کر دیا اور حکم دیا کہ اسحٰق کو بھی اسقدر صلہ عطا کیا جائے۔

مامون کا دربار[2] اگرچہ نامور شعرا معمور تھا جو وقتاً فوقتاً قصیدہ اور قطعے لکھ کر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے لیکن عام ایشائی فرمارواوں کی طرح وہ اپنی مدح کی دلآ ویزاوں سے بجی خوش کرنا چاہتا تھا بلکہ اس فیاضی سے اس کو زیادہ تر علم اور ادب کی ترقی مقصود تھی۔ اور عام مضامین

---

[1] عربی میں لہسن کو کلثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں [2] مروج الذہب مسعودی خلافت مامون۔

کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے ان کو نہایت ذوق سے سنتا تھا لیکن خاص ندحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سنا نہیں پسند کرتا تھا اور کہہ کر شاعر کو روک دیتا تھا کہ بس میری قدر افزائی کیلئے کافی ہوا۔

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا اور اس کی شاہانہ فیاضیاں اور لوگوں کیلئے بے روک تھیں۔ علامہ واقدی نے جو فن سیر کے امام میں ایک بار مامون کو خط لکھا جس میں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جس قدر قرضہ چڑھ گیا تھا اس کی تعداد لکھی تھی۔ مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے میں کہ آپ میں دو عادتیں ہیں حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھول دیے جو کچھ تھا سب اڑا ڈالا۔ حیا وکا یہ اثر ہے کہ آپ نے پوری حاجت نہیں کی۔ میں نے حکم دے دیا ہے۔ تعداد پوری مطلوبہ کا مضاعف آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لیے یہ تعداد پوری نہ اترے تو خود آپ کی کوتاہ قلمی کا قصور ہے۔ اور اگر کافی ہو جائے تو آئندہ بھی جس قدر چاہیں فراخدستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ نے خود مجھ سے حدیث روایت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا بندوں کے لیے ان کے خرچ سے رزق دیتا ہے۔ زیادہ ہو تو زیادہ کم ہو تو کم۔ علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے ان کو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آ گئی[2]

---

[1] آغانی۔ ترجمہ اولاد ابو محمد یزیدی [2] ترجمہ واقدی ابن خلقان۔ ۱۲

مامون کے دو فرزند فرا النحوی سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لیے مسند درس سے اٹھا۔ دونوں شہزادے اٹھے کہ جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھ دیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہنچے اس پر نزاع ہوئی کہ اس شرف کے ساتھ اختصاص کسی کو ہو آخر دونوں نے فیصلہ کر لیا اور ہر ایک جوتی سامنے لا رکھی۔

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی اور فرا طلب کیا گیا۔ مامون نے اس مخاطب ہو کر کہا۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے (فرا) امیر المومنین سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے (مامون) وہ جس کی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیر المومنین کے لخت جگر آپس میں جھگڑا کریں (فرا) میں خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تھا۔ مگر پھر خیال ہوا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکھوں۔ عبد اللہ بن عباس نے بھی حسین کی رکاب تھامی تھی اور جب حاضرین میں کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں ان سے بہت زیادہ ہیں تو انہوں نے ڈانٹا کہ اے جاہل چپ رہ تو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے (مامون) اگر تم ان کو روکتے تو تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات سے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر لڑکوں کو سعادت مندی اور فرا کو حسن تعلیم کے صلے میں دس دس ہزار درہم عطا کیے۔[1]

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ فراانحوی

مامون کے عام اخلاق وعادات شاہانہ شان وشوکت عیش وطرب کے جلسے

مامون کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین دالی۔ عزم۔ بردباری۔ علم۔ رائے۔ تدبیر۔ ہیبت شجاعت۔ عالی۔ حوصلگی۔ فیاضی میں اس افضل کوئی نہیں گذرا۔ مامون کا یہ ادعا کچھ بے جا نہیں تھا کہ معاویہ کو عمر دین العاص کا سہارا تھا عبدالملک کو حجاج کا اور مجھکو خود اپنا۔

ہارون رشید اکثر کہا کرتا تھا کہ میں مامون میں منصور کا جزم۔ مہدی کی خدا پرستی ہادی کی شان وشوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اس کے عفوان بے سارے۔ بے تکلفی۔ سادہ مزاجی۔ کی صنعتیں بڑھائی جائیں تو افضلیت کا دائرہ جس کو مورخین نے بنی العباس تک محدود کیا جاتا تھا۔ تمام سلاطین اسلام کو محیط ہو جاتا ہے۔

مامون کا قول تھا کہ مجھ کو عفو میں ایسا مزا آتا ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی توقع نہیں عبداللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار مامون کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی بڑ بڑانے لگا کہ کیا غلام کھاتے پیتے نہیں۔ جب ذرا کسی کام کیلئے باہر گئے تو آپ یا غلام چلانے لگتے ہیں آخر یا غلام کی کوئی حد بھی ہے۔ مامون نے سر جھکا لیا اور دیر تک سر بگریباں رہا میں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر نہیں۔ مامون میری طرف مخاطب

ہوا اور کہا کہ نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر ہو جاتے ہیں اور بدخو ہو جاتے ہیں مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کے نیک خو کرنے کے لیے میں بدمزاج بنوں۔[1]

ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا۔ ارکان دولت دست بستہ کھڑے تھے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تھا کہ مامون جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہماری انکھ میں عزت حاصل کر سکتا ہے مامون یہ سن کر مسکرا دیا۔ اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں صاحبو! آپ ایسی بھی کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نظروں متوقر[2] ہو سکوں۔

ناظرین کو غالباً اس بات سے تعجب ہو گا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شان خلافت کے شایان نہ تھا۔ مامون کو ناز تھا۔ وہ فخر سے کہتا تھا کہ ''خواص و خدام اکثر اپنے جلسوں میں بیٹھ کر مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں خود اپنے کانوں سے سن کر دانستہ اغماض کرتا ہوں۔[3]

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تھا۔ امین کے قتل کا نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جس میں مامون کو بہت بھلا کہہ کر دل کے پھپھولے توڑے تھے مامون کے یہ اشعار سنے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ دربار میں نہ آئے چند دنوں بعد پھر بلایا اور کہا سچ کہنا بھائی امین کے قتل اور بغداد کی فتح کے دن تو نے کسی ہاشمی عورت کو مارا ہے

---

[1] مستطرف فی کل فن مستطرف ۔۱۲

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی

[3] تاریخ الخلفاء سیوطی

جاتے اور ذلیل ہوتے دکھا تھا۔ حسین نے کہا کسی کو نہیں مامون اس کے الزام دینے کو ابن کے چند اشعار پڑھ کر سنائے جس میں اس نے نہایت درد انگیز لفظوں میں یہ سماں کھینچا تھا کہ بغداد تباہ کیا جا رہا ہے اور آل ہاشم کی نازک اور گل اندام عورتیں غارت گردوں کے بے رحم ہاتھ سے اپنے ناموس کو نہیں بچا سکتیں حسین نے کہا اے امیر المومنین یہ ایک جوش تھا جس کو میں دبا نہ سکا۔ امین کے غم میں صحیح اور غلط کی کس کو تمیز تھی۔ خلیفہ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہو سکا ادا ہوا۔ اگر تو مواخذہ کرے تو تجھکو حق ہے اور بخش دے تو تیری فیاضی ہے[1] مامون کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے ایک بار اسی حسین نے ایک قصیدہ لکھ کر حاجب کو دیا کہ مامون کی خدمت میں پیش کرے۔ قصیدہ ساعری کے لحاظ سے بہت عمدہ تھا۔ مامون نے سخنوری کی دادی مگر حاجب نے کہا کہ اسی حسین کا یہ بھی شعر ہے شعر۔

ولا فرج المامون بالملک بعده   ولا زال فی الدنیا طریدا مطرودا

ترجمہ خدا کرے مامون اس کے بعد کبھی سلطنت سے لذت نہ اٹھائے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے مامون نے یہ شعر پڑھ کر حاجب سے کہا مدح و ذم مل کر برابر ہو گئی۔ اب شاعر کو صلہ کا کوئی حق نہیں حاجب نے عرض کیا پھر حضور کی وہ عفو کی عادت کیا ہوئی۔ مامون کہا۔ ہاں یہ صحیح۔ اچھا مناسب انعام دیا جائے[2] جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تھا کوثر اس کا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنا کو نکلا۔ اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر لگا اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پونچھتا

---

[1] کامل بن الاثیر۔ فتح بغداد [2] تاریخ الخلفاء سیوطی

جاتا تھا اور یہ اشعار جو اس کی زبان سے بے اختیار نکلے تھے پڑھتا جاتا تھا۔

ضربوا قرة عيني	لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا
ومن اجلي ضربوه	اور میری ضد کی وجہ سے مارا
اخذ الله يقيني من	جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا
انا من احرقوه	خدا ان لوگوں سے میرے دل کو بدلہ لے

چونکہ غمزدہ دل نے یاری نہ دی اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکا۔ اور عبداللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان اشعار کو پورا کر دے عبداللہ نے چند اشعر لکھے جس کے اخیر شعر یہ ہیں۔

عليهم حسدوه	ان پر حسد کرتے ہیں
مثل ما حسد القائم	جس طرح خلیفہ وقت پر اس کے بھائی
بالملک اخوه	(مامون) نے حسد کیا

امین کے قتل کے بعد یہی شاعر مامون کے دربار میں حاضر ہوا کہ مدح سنا کر انعام لے (مامون) نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ہاں وہ کیا شعر ہے مثل ما حسد القائم بالملک اخوہ شاعر نے اس کی معذرت میں چند اشعار برجستہ پڑھے مامون نے پچھلے جرم کا کچھ خیال نہ کیا اور دس ہزار درہم انعام دلائے گئے[1]

مامون کو دعوی تھا کہ بڑے بڑا جرم بھی میرے علم کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جو متعدد بار نافرمانیاں کر چکا تھا اس نے کہا کہ تو جسقدر جائیگا میں بخشا جاؤں گا یہاں تک کہ آخر عفو تجھ کو تھکا دے گا[2] تا مامون کر اس رحمدلی پر لوگوں کو اس قدر وبھروسہ ہو گیا کہ بے تکلف اس لا

---

[1] تاریخ الخلفاء [2] تاریخ الخلفاء

کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر دیتے۔ عبد ابن الملک جسل کی شکایت کی بہت سی عرضیاں گذر چکی تھی۔ مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ اصل بات کیا ہے عبد الملک نے مطلقاً انکار کیا۔ مامون نے کہا مگر مجھ کو تو اس کیخلاف خبریں پہنچتی ہیں عبد الملک نے عرض کیا۔ امیر المومنین اگر بات ہوتی تو خود اقرار کر دیتا۔ حضور کا عفو ہر حالت میں میری جماعت کے لیے سپر بن سکتا تھا۔ پھر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کھوتا۔ [1] مامون اگرچہ ملک کے ایک جزئیات سے خبر رکھتا تھا۔ اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر دیتا تھا مگر غمازوں کا جانی دشمن تھا۔ اس باب میں اس کے مقولے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اس کے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تھا تو اکثر کہا کرتا تھا ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جن کو خدا نے سچ کہنے پر بھی لعنت کی ہے [2] جس شخص نے کسی شکایت کر کے اپنی عزت میری آنکھوں میں گھٹا دی پھر کس طرح اس کی تلافی نہیں کر سکتا ہے

مامون اگرچہ بڑی عظمت بڑی و شان کا بادشاہ تھا اور مامون کے دفتر میں عام مورخین نے اس کے جاہ جلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی۔ مگر ہمارے خیال میں جو چیزیں اس کی تاریخ زندگی کو نہایت مزین اور پر اثر بنا دیتی ہیں وہ اس کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے اور ایسا بادشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھ کر کل اسلامی دنیا کا واحد تاجدار بن جاتا ہے کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے اپنے مقابلے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا پسند نہیں کرتا

---

[1] عقد الفرید ۱۲

[2] عقد الفرید

۔ اکثر اہل علم وارباب کمال راتوں کی اس کے مہمان ہوتے تھے اور اس کے بستر لگا سوتے تھے مگر عام برتاو ایسا ہی ہوتا تھا جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے قاضی یحیٰی ایک رات اس کے مہمان تھے۔ اتفاقاً آدھی رات کے بعد آنکھ کھل گئی اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرہ سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ مامون نے پوچھا خیر ہے۔ قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت ظاہر کی۔ مامون خود چلا گیا اور دوسرے کمرے سے پانی کی صراحی اٹھالایا قاضی صاحب نے گھبرا کر کہا حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ مامون نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید القوم خادمھم راتوں کو خدام سو جاتے تھے تو خود اٹھ کر چراغ اور شمعیں درست کردیا کرتا تھا۔

ایک بار باغ کی سیر کو گیا۔ قاضی یحیٰی بھی ساتھ تھے مامون کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ٹہلنے لگا۔ جاتے کے وقت دھوپ کا رخ قاضی صاحب کی طرف تھا ادھر سے واپس آتے وقت مامون کی طرف بدل گیا۔ قاضی نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں تاکہ مامون سایہ میں آجائے لیکن اس نے گوارا نہ کیا اور کہا کہ یہ انصاف سے بلکل بعید ہے پہلے میں سایہ میں تھا اب واپسی کے وقت تمہارا حق ہے مامون کے سادہ مزاجی کچھ عربی اصل ہونے کی حیثیت سے نہ تھی بے شبہ عباسی خاندان عرب کا ایک مشہور خاندان تھا۔ لیکن سو برس سے شاہنشاہی کا چتر اس پر سایہ فگن تھا اتنی مدت میں نسل۔ اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بلکل شاہانہ آداب اور تکلفات سے بدل گئی تھیں۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب ہوتا تھا اور درباری اس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔

خلیفہ وقت پردے کی اوٹ میں بیٹھ کر تمام احکام صادر کرتا تھا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اٹھا دیا تھا مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔

مامون کے عہد تک تمام دربار اب تک اسی قسم کے آئین وآداب کا پابند تھا مامون کو ایک بار چھینک آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقہ پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے سب سے پوچھا۔ درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تھا مامون نے کہا میں ان بادشاہوں میں نہیں ہوں جو دعا سے عار کرتے ہیں! چونکہ مامون اس قسم کے بیہودہ آداب ومراسم کو ناپسند کرتا تھا۔ اہل دربار نے بھی تکلف کی قید سے آزادی حاصل کی تھی۔

ہیمنہ مامون کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ شاہانہ جاہ وحشم یا مسرفانہ مصارف میں کچھ نزل ہو تھا دس ہزار درہم روزانہ صرف اس کے طعام خاصہ کا صرف تھا۔ ایک یورپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمر نے شام کا سفر کیا تو ان کا کل ضروری اسباب زرسد وکھانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا اور جب مامون شکار کو نکلا تو اس کے ضروری اور معمولی ساز وسامان کے لیے تین سو اونٹ بھی کافی نہ ہوئے۔ دولت بنی امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تھے اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اس قدر عظیم

تاریخ الخلفاء

الشان تبدیلیاں ہوگئیں کہ کس طرح قیاس میں نہیں آسکتیں۔

زبیدہ خاتون (مامون کی سوتیلی ماں تھی کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب وزنیت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کیے جو نہایت ذوق ومسرت سے قبول کیے گئے اور تمام امراء عمائدین میں رواج عام پا گئے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل اسی کے شبستان عیش میں چلائی گئیں۔ جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں چاندی۔ آبنوس صندل کے قبے اول انہی نے تیار کروائے اوران کو دیبا وسمو اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے لیے ایک پچاس پچاس ہزار اشرفی کا تیار ہوا!!

مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت ودولت کا سب سے بڑھا ہو نمونہ ہے

عربی مورخوں کا دعوی ہے کہ گذشتہ اور موجود زمانہ کوئی اس کی نظر نہیں لاسکتا۔ ہماری محدود واقفیت میں اب تک کسی نے ان کے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں کی ہے یہ خوش قسمت لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا۔ حسن بن سہل کی بیٹی تھی جو فضل کے مرنے پر وازیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ[۲] تھی۔ مامون مع خاندان شاہی اور ارکان دولت وکل فوج وافسران ملکی وخدام حسن کا مہمان ہوا اور برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات کی ایسے فیاضانہ حوصلہ سے مہانداری کی کہ ادنے سے ادنے آدمی نے

---

[۲] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ۔ تاریخ میں بوران کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہے تذکرۃ الخواتین میں جو زمانہ حال کی معمولی تالیف ہے لکھا ہے کہ بورانی اسی کی طرف منسوب ہے

چند دنوں کے لیے امیرانہ زندگی بسر کر لی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی۔ عام لوٹ میں یہ فیاضیانہ حکم تھا کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اس میں جو کچھ لکھا ہو اس وقت وکیل الخزانہ سے لے لیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم دینار نثار کیے گئے۔ مامون کے لیے ایک نہایت مکلّف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا۔ اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا۔ مامون جب اس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اس کے قدم پر نثار کیے گئے۔ جو زمین پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابونواس کا مشہور شعر پڑھا اور کہا کہ ابونواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا۔

کأن صغری و کبری من فواقعہا
حصباء در علی ارض من الذہب

جام شراب سے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں
کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں

زفاف کی شب جب نوشہ اور دلہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزاروں بیش بہا موتی دونوں پر نچھاور کیے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے۔[1]

عرب کے مؤرخوں نے مامون کی سخاوت و دریا دلی کا ذکر فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے اور چونکہ مامون کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم

---

[1] اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں کیا ہے۔ ابوالفدا، ابن الاثیر، ابن خلقان (ترجمہ بوران میں) اور دوسرے مورخوں نے بھی یہ حالات اجمالاً و تفصیلاً لکھے ہیں

کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں۔ ان کو ایشائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے ۔خوش قسمتی سے وہ مامون کے اصلی واقعات میں گبن صاحب لکھتے ہیں۔

مامون کی فیاضی کی تعریف اس کے ارکان دولت نے ضرور ہو گی جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے سے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس چوبیس لاکھ چار ہزار دینار تھے[1] دیدیئے یہ ایک جزئی مثال ہے شعراء اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم دینار عطا کر دینا مامون کا ایک شعر ایکزار دلائے جائیں یہ کل پچاس شعر تھے۔ اور پچاس ہزار اسی وقت اس کو دلا دیئے گئے[2]

بوران کے نکاح میں ایک مفلس نے نمک اور اشنان کی دو تھلیاں نذر بھیجیں اور خط لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دیجائے اور میرا نام اس میں نہ ہو نمک کی برکت اور شان کی لطافت اسی بات کے لیے کافی ہے کہ میں اس کو حضور کی نظر کے لیے انتخاب کروں مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اس کو[3] واپس دیدی جائیں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اور ہم کو نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرح جو ایشائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

واقعات سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم

---

[1] آجکل کے حساب سے ایک کروڑ صرف بیس ہزار روپے ہوتے۔

[2] آغانی ترجمہ محمد بن وہب ۱۲

[3] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

آج موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی ایشائی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بتائیں۔

آج کل کے تعلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کو جو تاریخوں میں مذکورہ رہیں عموماً مبالغہ پر محمول کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان میں بے انتہا فیاضیوں کے لیے کافی ہو لیکن یہی ان کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشائی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ اس وقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے۔ نہ اتنی کثیر تنخواہ ہیں اس لیے خزانہ عامر کا بڑا حصہ ان فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جس کو آج ہم فضول اور لغو بتاتے ہیں۔ یہ باتیں ہم کو بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں ہم ان عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو دو ہی صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت ہو گیا حضرت عمر ایک بار ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سنو اور مانو یہ صدا اپنی پوری رفتار طے نہیں کر چکی تھی کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند لہجہ میں کہا۔ لاسمع ولا طاعت یعنی نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے حضرت عمر نے فرمایا آخر کیوں اس نے کہا یمنی چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئی ہیں ان میں تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا مگر تمہارے جسم پر جو پیرہن ہے اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہوگا۔ تم کو اس ترجیح کا حق تھا حضرت عمر نے اپنے فرزند عبداللہ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب

---

[1] آثارالدول۔ امام رازی۔ ۱۲

دیا جنھوں نے کھڑے ہو کر یہ شہادت دی کہ جس قدر کپڑا گھٹ گیا تھا وہ اپنے حصہ کی چادر سے پورا کر دیا وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے۔

اس کے ساتھ اب مامون کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اس کے غیر معتدل اسرافات پر کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرات نہیں کر سکتا۔ کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا اور جس طرح چاہے اسپر آزادانہ تصرف کر سکتا ہے اس قسم کے بے قاعدہ مصارف سے ہم یہ بات باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جس قدر تھے ان کی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو بھی فقہ وحدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کیساتھ اس کی عالمانہ بحثیں سنی ہیں نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ نزانہ وضع سے بھی ہے بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں پری پیکر نازنینوں کا جھرمنٹ ہے دور شراب چل رہا ہے ساز چھڑا جا رہا ہے۔ گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے ہیں[1] آغاز میں خلافت میں بیس ماہ تک مامون نغمہ وسرود سے بالکل محترز رہا۔ چند دنوں کے بعد شوق پیدا ہوا مگر بتاہی کہ احتیاط سے کبھی کبھی سن لیتا تھا۔ یہ حالت بھی چار برس قائم رہی

---

[1] علامہ بن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ مامون وغیرہ کی بادنوشی سے انکار کیا ہے لیکن تاریخی سند کوئی پیش نہ کر سکے۔ صرف حسن ظن پر تقریر کو طول دیا ہے۔ تاہم نبیذ کا پینا تسلیم کرتے ہیں ابن خلدون کے تسلیم کرنیوالے مجاز ہیں کہ ہماری کتاب میں مامون کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں بجائے شراب کے نبیذ پڑھیں۔

۔ پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر انصاف سے دیکھے تو اس تعجب کی کیا بات ہے آزادی حوصلہ مندی۔ لطافت طبع جوش شباب۔ ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ مامون کی تخصیص نہیں اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی تھیں۔ مسلمانوں کو اس عہد میں۔ امن فراغ اطمینان زرومال۔ سب کچھ میسر تھا پھر کیا چیز جوان کو زندگی کے پرخطر مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ دراندازہو سکتا تھا لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو روک بھی کھینچ تان کے اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔

لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیے تھے۔ نغمہ وسرود تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔

بنوامیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گزرا جو اس فن میں مناسب درسگانہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علماء بھی اس چا سے خالی نہ تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے زاہد خشک بھی فن نغمہ میں بہت سے سروں کے موجد[1] ہیں مامون کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جنہوں نے علمی اصول وقواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہنچایا۔ اور جن میں سے مخارق۔ علویہ عمر بن بانتہ عقید یحییٰ مکی۔ سوسن زلزل زرزود۔ اس فن کے ارکان تسلیم کیے گئے ہیں لیکن اسحق موصلی کی

---

[1] صاحب آغانی نے جہاں خلفاء کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام بھی لیا ہے

شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ نہ ہو سکا۔ اسحٰق کا باپ ابراہیم موسیقی کا ایک مشہور استاد تھا اور ہارون الرشید نے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا۔ اسحٰق نے فن ادب انساب روایات۔ فقہ نحو میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا تھا۔ یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کر کے اس کو مغنی کا حقیر لقب دلایا جس کی شہرت کو وہ کس طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس لقب سے نہایت نفرت کرتا تھا ۔ مگر قبول عام پر کس کا زور ہے۔ مامون کو بھی اس بات کا افسوس رہا کہ اسحٰق منصب قضا کے قابل تھا لیکن قوالی کی بدنامی نے اس بلند درجے پر پہنچنے نہ دیا۔ تاہم اس کی عظمت کا اتنا پاس تھا کہ دربار میں اس کو ندیموں کے زمرے میں جگہ ملتی تھی۔ اس سے زیادہ یہ امتیاز حاصل تھا کہ اس کو دربار میں فقہا کا لباس پہن کر آنے کی اجازت تھی۔ اس پر بھی مانع نہ ہوا ۔ اور مامون سے درخواست کی کہ دراعۃ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ[1] میں داخل ہو سکے۔ مامون نے مسکرا کر کہا کہ اسحٰق یہ نہیں لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں کہہ کر حکم دیا لاکھ درہم اس کے گھر پہنچا دیے جائیں۔

اسحٰق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ روزانہ معمول رہا کہ صبح تڑکے ہشیم کی خدمت میں پہنچکر حدیثیں سنیں۔ پھر کسائی ۔ یا فرا کے پاس جا کر قرآن کا سبق پڑھا۔ اس سے فارغ ہو کر زلزل سے عود بجانے کی مشق کی پھر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر اصمعی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہو کچھ اشعار سنائے۔ کچھ ادب

---

[1] جامع مسجد میں جہاں بادشاہ نماز ادا کرتا تھا۔ وہ ایک کٹگرہ ہوتا تھا۔ اس کو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں۔ ۱۲

کے مسائل تحقیق کیے۔ شام کو گھر واپس آیا تو جو کچھ دن بھر سیکھا۔ سب پدر بزگوار کو سنا دیا۔ اسی کا بیان ہے کہ میں نے لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کی نذر کیے۔ تب عود بجانہ آیا۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہا کرتا تھا۔ اسحٰق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں خیال آتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیک اضافہ ہو گیا۔

اسحٰق نے موسیقی کے جو اصول وقواعد اپنی تصنیف میں لکھے میں وہ یونانی حکماء تحقیقات سے عموماً مطابق ہیں۔ حلانکہ یہ بات تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوگئی ہے کہ اس کو نہ یونان زبان آتی تھی اور نہ کتابوں کے ترجمے اس کی نگاہ سے گذرے تھے۔ اس بات پر تمام اہل فن کو حیرت ہوئی اور حق یہ ہے کہ فن تدوین اور ترتیب میں اسے نے فیاغوث سے کچھ کم کام نہیں کیا۔[1]

ان مغنیوں کے سوا ایک طائفہ تھا جس سے مامون کے جلسوں کی زیب وزینت تھی۔ روم ایشیائے کوچک کی گل اندم نازمین جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی دلال ان کو سستے داموں خرید لیتے تھے۔ اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ کوشنویسی۔ ظرافت۔ حاضر جوابی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان فنون میں کامل ہوکر وہ نہایت گراں قیمتوں میں بازار میں بکتی تھیں۔ مامون کے شبستان عیش میں ان حوروشوں کا ایک جھرمٹ رہتا تھا جن کی خریداری اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر بار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی جس کے فضل وکمال۔ فصاحت ادبیت۔ سخن سنجی کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کی مامون کہا

---

[1] اسحٰق وابراہیم کا نہایت مفصل تذکرہ اغانی میں ملے گا۔

میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ فی البدیہ اس کے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں شعر یہ ہے۔

ماتقولین فیمن شقنہ ادق
من جھد جبک حتی صار حیرانا

کنیز نے برجستہ پڑھا۔

اذا وجدنا مسجباتد اصربہ
داء الصبابتہ اولباہ احسابا

عریب ایک کنیز جو ہو علم فن میں یکتائے روزگار تھی اور لاکھ درہم اس کی خریداری میں صرف کیے گئے تھے۔ مامون کی محبوبہ خاص تھی۔ اس نے ہزار راگ ایجاد کئے جن میں سے بعض کا تتبع اسحاق بھی بمشکل کر سکتا۔ عریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ المعتز باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا موجد اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے۔ اور عریب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے ایک بار عریب نے مامون سے رنجیدہ ہو کر ملنا چھوڑ دیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد سے مامون نے التجا کی آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیجیے عرب نے سنا تو وہ پردہ سے بول اٹھی کہ

غلط الھجر بالوصال ولا   یدنی الصلح بینا احد

یعنی ”وصال میں ہم ہجر کو ملا دیتے ہیں لیکن صلح کرانے کے لیے ہمارے بیچ میں کوئی غیر شخص نہیں پڑ سکتا۔ مامون کی ایک دوسری کنیز جس کا نام بذل تھا فن موسیقی کے مشہور استادوں میں تسلیم کی گئی ہے علی بن ہشیم نے اس کی ایک تصنیف کا جو سات ہزار راگوں پر مشتمل ہے دس ہزار درہم

صلہ دیا۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے عریب دہذل کے دلآویز حالات کے لیے اپنی نظر کتاب الاغانی کے بیسوں صفحے نذر کیے ہیں۔ رنگین طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اس کے صفحے پیش نظر رکھیں۔ اس عہد میں تعلیم یافتہ کنیزیں عموماً امرا و خوش لوگوں کے حرم میں داخل تھیں اور چونکہ ان کے حقوق اور معاشرت عملی طور سے ہر خاندان میں اصلی ازاج کے برابر بلکہ بڑھ کر تھے۔ اس لیے عورتوں کی تعلیم اور آزادی کا مسئلہ بہت کچھ ان کی بدولت حل ہو گیا تھا۔

مامون کے عیش و طرب کے جلسوں میں گو عیاشانہ رنگینی پائی جاتی ہے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے علمی مذاق سے بلکل خالی بھی نہ تھے اس قسم کے جلسے جو شاعرانہ جذبات کو پورے جوش کے ساتھ ابھار دیتے ہیں اگر متانت و تہذیب کے ساتھ ہوں تو لٹریچر پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ اگر مامون خود سخن سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا تو یاران مجلس بھی عموماً نازک خیال اور نکتہ شناس۔ تھے بات بات پر شاعرانہ لطیفے ایجاد ہوتے کبھی موسیقی کی بحث چھڑ جاتی۔ کسی وقت مامون کے فی البدیہ مصرعوں۔ یا شعروں پر شعراء کی طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک دن بزم عیش آراستہ تھی۔ بادہ و جام کا دورہ تھا۔ بیس عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کے لباس پہنے گردنوں میں سونے کی صلیبیں۔ کمر میں زریں زنار ہاتھوں گلدستے لیے ہوئے بزم میں جلوہ آرا تھیں یہ سماں ایسا نہ تھا۔ کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا۔ بیساختہ چند اشعار زبان سے نکلے اور احمد بن صدقہ ایک مغنی کو بلا کر ان شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی نغمہ سرائی کے ساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں اور جام

شراب۔ مامون کے بدمست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بلکل سرشار ہوگیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے تین ہزار اشرافیاں نثار کی جاویں۔ مامون کا چچا ابراہیم جس کے ادعائے خلافت کا حال پہلے گذر چکا ہی اور موسیقی کا بڑا استاد اور اس فن میں اسحٰق موصلی کی ہمریکا دعویٰ رکھتا تھا ایک دن بزم عیش میں حاضر تھا مامون کے دائیں بائیں بیس جوروشنی کنیزیں ایک سر میں عود چھڑ رہی تھیں اسحٰق بھی حاضر ہوا۔ اور آنے کے ساتھ ٹھک سا گیا (مامون) کیوں اسحٰق کوئی بے اصول آواز کان میں آرہی ہو۔ (اسحٰق) حضور ہاں (مامون) ابراہیم کی طرف مخاطب ہوکر تم اس سوال کا جواب کیا دیتا ہو۔ (ابراہیم) نہیں مامون نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ اب میں نے بہ تعین بتا دیتا ہوں کہ اس صف میں کسی تار پر غلط مضراب پڑ رہا ہو۔ ابراہیم نے اس کی طرف کان لگا کر سنا مگر پھر تمیز نہ ہوئی اسحٰق نے ایک خاص کنیز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں ابراہیم سمجھ گیا اور اپنی ناواقفیت پر نادام ہوا۔ مامون نے کہا ابراہیم اس تاروں کی یکساں اور مشتبہ گونج میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اس کو بہ تعین بتا دے تم اس ہمسری کا کیونکر دعوی کر سکتے ہو شاید یہ پہلا دن تھا کہ ابراہیم نے صریح لفظوں میں اسحٰق کی فضیلت کو تسلیم کر لیا۔ ایک دن تھا کہ ابراہیم مامون کی دعوت کی مکان جو دعوت کے لیے سجایا گیا تھا۔ اس کی چھت میں جابجا روشندانوں میں شیشے لگے تھے مجلس میں احمد یزیدی اور سیما ترکی بھی موجود تھا۔ جو معتصم کا پیارا غلام اور حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھا۔ آفتاب کا عکس شیشوں سے ہو کر سیما کے چہرے پر پڑا تو عجیب کفیت

پیدا ہوئی۔ مامون بے ساختہ پکار اٹھا کہ دیکھنا آفتاب کا چہرے پر پڑا کر کیا سماں دکھلا رہا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا کہ اسی وقت موزوں ہو تھا۔ پہلا مصرعہ یہ ہے قد طلعت شمس یعنی آفتاب چمک رہا ہے اگرچہ یہ ایک برجستہ لطیفہ تھا تاہم معتصم کو رشک ہو۔ مامون نے تسکین کر دی کہ رقابت مقصود صرف یہ ایک فوری اثر کا اظہار تھا۔

مامون کا مذہب

مامون کا مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے

کس کی ملت میں گنواں آپ کو بتلائے منسوخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو

سنی مورخ اس کے محاسن وفضائل کا علانیہ اعتراف کر کے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں کہ افسوس شیعی تھا۔ شعیہ سخت ناراض ہیں کہ اس کا تشیع بلکل فریب تھا۔ جس کے ذریعہ سے اس نے حضرت علی علیہ السلام پر قابو حاصل کیا اور پھر زہر دلوا دیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں ورنہ دیکھنا یہ تھا کہ اس مقدس فرقہ نے اس کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مامون کے زمانہ تک ان فرقوں میں وہ حد فاضل نہیں قائم ہوتھی۔ جوات ہے سنی۔ شیعہ۔ معتزلہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے سنیوں کے بڑے بڑے پیشوائے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں بیشتر ایسے گزرے ہیں کہ اگر ان کے مجموعہ

عقائد کا شیرازہ کھول دیا جائے تو شیعہ سنی۔ معتزلی۔ قدریہ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا کچھ حصہ آئے گا عقائد کے لحاظ سے مامون معجون مرکب تھا قرآن کے حادث ہونے کے قائل تھا۔ عام منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے۔ حضرت علیؑ کو تمام اصحابہ سے افضل سمجھتا تھا۔ لیکن اور خلفاء سے بھی اعتقادت درنہ تھا۔ اس نے ایک نظم میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ کی نسبت بھی اپنا رخ ظاہر کیا ہے۔ اس خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے مختلف زبانوں کی تعلیم و معاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان برامکہ کی صحبت نے جو اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے راہنما تھے۔ اس کو شیعہ پن کے خیالات سکھائے۔ بڑا ہوا تو بھی یہی صورت رہی فضل بن سہل جو تخت کے وزیر اور حکومت کے ارکان اعظم تھے۔ مامون پر ایسے محیط تھے کہ وہ انھیں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا اور انہیں کے کانوں سے سنتا تھا۔ یہ دونوں شیعے تھے اور ان کے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جمالیا تھا۔ آخر میں معتزلی اپنے فضل و کمال کی وجہ سے باریاب ہوئے۔ مامون کی قابل طبیعت نے ان کے عقائد کو بھی خیر مقدم کہا۔ اس دوطرفہ کشمکش میں سینت کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا۔ مامون کے دربار میں ہندو۔ عیسائی یہودی مجوسی۔ ہر ایک مذہب کے عالم اور فاضل تھے۔ وہ سب سے نہایت فیاضانہ مراعات رکھتا تھا اور کسی کے عقائد اور مذہبی کو خیالات سے اس کو بحث نہ تھی۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ اس کے ہم مذہبوں کو ہمیشہ اس کے تعصبات سے گزند پہنچتا تھا تعیہ پن کے جوش میں ایک بار منادی کرادی کہ متعہ عموماً جائز سمجھا

جاوے اگر یہ حکم واقعی رائے کی صورت میں ہوتا تو شاید کسی کو خیال بھی نہ ہوتا۔ لیکن ایک عام منادی شاہی کے ہمزبان تھی اور اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے مامون عاجز نہ آجاتا تو شاید سینوں کی قسمت بدل گئی ہوتی۔ مامون اس وقت دمشق میں تھا۔ دربار کے تمام شہر کو برہم کر دیا۔ لیکن حکومت کی آواز کو کون دبا سکتا تھا۔ جو لوگ مامون کے مزاجدان تھے۔ سمجھ چکے تھے کہ اس پرخطر موقع پر اگر کوئی شخص اپنی جرات کا امتحان لے سکتا ہے تو وہ صرف قاضی یحییٰ ہیں۔ درباریوں میں سے دو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ ان لوگوں سے کہا کہ دربار میں چلیے۔ میں بھی ذرا دیر میں آتا ہوں۔ یہ عام لوگ پہنچے تو مامون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھ رہا تھا۔ دونوں متعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے۔ میں ان کو حرام کرتا ہوں۔ ہر لفظ پر اس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو جاتا تھا۔ اور جب ایک پرغیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کر چکا تو نہایت طیش میں آکر کہا اے جعل جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھی۔ تو کون ہے اس کو حرام کرے۔ مامون کو اس طرح پر فراختہ دیکھ کر سب سہم گئے اتنے میں قاضی یحییٰ پہنچے اور گو خود کچھ نہیں کہا لیکن ان کا مغموم چہرہ ان کے خیالات کو صاف ادا کر رہا تھا۔ مامون نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے؟

(قاضی یحییٰ) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا ہے

(مامون) وہ کیا؟

(قاضی یحییٰ) زنا حلال کر دیا گیا۔

(مامون) یہ کیونکر؟

(قاضی یحییٰ) متعہ زنا ہی تو ہے۔

(مامون) کس کی دلیل سے؟

(قاضی یحییٰ) قرآن مجید کی اس آیت میں الا علی ازواجھم او ملکت ایمانھم صرف دو قسم کی عورتوں سے جائز کیا گیا ہے جورو ۔ لونڈی ۔ کیا ۔ متوعہ عورت لونڈی ہے؟

(مامون) نہیں

(قاضی یحییٰ) پھر کیا زوجہ شرعی ہے! کیا اس کو میراث مل سکتی ہے قاضی یحییٰ نے ایک حدیث بھی متعہ کی حومت میں پڑھی۔ مامون کو اپنی خودرائی پر نہایت افسوس ہوا اور اسی وقت حکم دیا کہ پہلا حکم منوخ کر دیا جائے۔[1]

مامون اس بات میں بے شبہ نہایت تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ تعلیم وخیالات کے ساتھ مذہبی عقائد میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا۔ فرائض اور اعمال کا سخت پابند تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ اس کو جو سچی ارداتھی عاشقانہ وارفتگی کی حد میں پہنچ گئی تھی۔ شام کے سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا اور جوش محبت کی ایک عجیب کفیت طاری ہوئی بار بار آنکھوں سے لگاتا اور روتا جاتا تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے اور ہمیشہ دنیا میں اس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوے ہیں ۔ مگر افسوس ہے۔ کہ مامون نے اس قوت سے عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جس چیز نے اس کی تمام خوبیاں غارت کر دیں وہ یہی مذہبی جنون تھا۔

---

[1] دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ حالات قاضی یحییٰ ابن اکثم

فلسفہ کے اثر نے اس کو چند عقائد میں معتزل المذہب بنا دیا تھا جس میں قرآن کے حادثے ہونے کا مسئلہ رسوق کے ساتھ اس کے دل میں بیٹھ گیا کہ اس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا اصل توحید سے انکار تھا ۲۱۸ھ کو جب شام کے اضلاع میں مقیم تھا تو اس کا اسحٰق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصر مضمون یہ تھا۔

''امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہے یہ لوگ بدترین امم اور مامون کو ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے اور جس کو انکار ہو وہ ساقط العدالت مشہور کر دیا جائے''۔

مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ ساتھ بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا اور روبرو گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے جو اُن کا دل نہیں کہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھی مامون کے ہم زبان بن گئے تو اس نے اسحٰق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار کر لیا جائے۔ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سب کے اظہار ان کے خاص الفاظ میں قلم بند ہو کر مامون پاس بھیج دیئے گئے۔ اس کے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا وہ اس کے جنون مذہبی کا ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا جس پر رشوت، چوری، دروغ گوئی، بے علمی، حماقت شعاری کا الزام

نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پابہ زنجیر راونہ کئے جائیں۔ تا کہ میں خود اپنے سامنے تمام حجت کر کے ان کی موت وحیات کا فیصلہ کر دوں۔"

اسحٰق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جس کی بلیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیر باد کہہ کر مامون کے ہم زبان ہو گئے۔ علامہ قواریری وسجادۃ البتہ کس قدر مستقل رہے۔ مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا صرف امام حنبل و محمد بن نوح۔ اس معرکہ میں ثابت رہے قدم رہے جس کے صلے میں پابزنجیر ہو کر طرطوس روازنہ کیے گئے۔

مامون کو پھر معلوم ہو کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا تقیہ کیا تھا وہ نہایت برافروختہ ہوا اور لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر ہوں۔ ایک جم غفیر جس میں ابو احسان زیادی۔ نفر بن شمیل۔ قواریری ابوناصر۔ تمار۔ علی بن مقاتل۔ بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو راونہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے لیے مرنے کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو۔ لیکن ان بکسیوں کے لیے گویا ایک نہایت جاں فزا مژدہ تھا۔

تمام خلفائے بن العباس کے برخلاف مامون آل علیؑ سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ باغ فدک سادات کو واپس دیدیا تھا۔ آل ہاشم کو بڑے

بڑے ملکی عہدے عموماً دئے۔ ان عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یحییٰ بن حسین نے (علویین میں تھے) انتقال کیا تو مامون کو ان کے مرنے کا ایسا صدمہ کہ شاید کبھی نہ ہوا تھا۔ ان کے جنازے پر حاضر ہوا اور دیر تک رنج و غم کی وہ حالت طاری رہی کہ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد زینب خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مر گیا مامون نے بجائے اس کے جنازہ میں شریک ہوتا خود تعزیت کو صالح کو اپنی طرف سے بھیجا کہ عذر خواہی کے ساتھ ماتم پرسی کرائے۔ اس لاپرواہی نے زینب خاتون کو اس قدر رنج دیا کہ ان کی عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا اور مامون کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا!

سکناہ ونحسبہ لجینا
فابدی الکیر عن خبث الحدید

ترجمعہ۔ ہم نے اس کو تایا تو چاندی خیال کیا تھا لیکن بھٹی نے ظاہر کر دیا کہ زنگ آلود لوہا ہے۔

پھر صالح سے کہا کہ مامون سے جا کر کہنا۔

اے[2] مراجل کے لونڈے۔ اگر آج یحییٰ ابن الحسین ہوتا تو منہ پر دامن رکھ کر جنازہ کے پیچھے دوڑتا جاتا[3]

یہ عجیب بات ہے کہ مامون کی ان فیاضانہ مراعات کو ہمارے

---

[1] یہ تمام واقعات کامل بن الاثیر و تاریخ الخلفاء میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

[2] یہ مامون کے کنیز زادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

[3] کامل ابن الاثیر ذکر خلافت مامون۔

مورخین شیعہ پن کا اثر خیال کرتے ہیں۔ مامون کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پرجوش اور محبت آمیز عقیدت تھی۔ اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا۔ جس کو خود مامون نے ایک موقع پر بیان کیا اس نے کہا:۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی۔ لیکن علی مرتضیٰ جب خلیفہ ہوئے تو عبداللہ بن عباس میں کوئی باقی نہیں رہا جس کو کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ فرض باقی چلا آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے [1]

معاصر سلطنتیں

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ مامون دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت وجلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا اس وقت معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا جن کے نام یہ ہیں کنیٹ سللکس۔ اسیکس۔ نادمبر لینڈ۔ مرشیا۔ اسیٹ انگلیا [2] یہ سب بادشاہ جن کو رئیس کہنا چاہیے

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔

[2] ان ناموں کا صحیح تلفظ انگریزی میں یہ ہے۔

KONT(2)SUSSEX -(3)WESSOX(4)ESSEX
(5)NORTHEMBER LAND(6)MERCIA (7)EST ARC-LLA

آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جو شخص ان میں کس قدر غلبہ حاصل کر لیتا تھا۔ اس کو بادشاہ انگلش کا فخر لقب ملتا تھا۔ ۸۲۷ء میں اگبرٹ (EGBERT) بادشاہ ایکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہو گیا۔ اور قریباً تمام انگلینڈ میں اس کی تمام فتوحات پھیل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ فتوحات کی بنیاد مستحکم کر سکے ڈینس (DANES) کا جملہ شروع ہو گیا۔ اگبرٹ نے ۲۳۶ء میں انتقال کیا۔ جرمنی۔ اٹلی ہنگری ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے لیے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائشگی کے لحاظ سے موزوں تھا نہ جمعیت و طاقت کے اعتبار سے شارلیمن شاہ فرانس نے ۸۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنے کے بعد اپنی حدود حکومت میں داخل کر لیا اور سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی۔ یورپ کے بعد مورخوں نے اس کی عظمت و شان کا اعتراف کیا اور لکھا ہے کہ اس نے اپنے معاصر ہارون الرشید اعظم سے دوستانہ راہ ورسم پیدا کی اور سفارت و ہدایا بھیجے۔ فرانس کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفارت کے جواب میں ہارون الرشید نے جو شاہانہ تحفے بھیجے اس میں ایک گھڑی بھی تھی[1] جس کی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا اور فرانس میں گھڑی کا رواج اسی زمانے سے شروع ہوا۔ عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے مسٹر پامر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اس وقت نہایت عروج پر تھی اس لیے اس سے فخریہ رابطہ قائم رکھنے کے لیے یورپ میں یہ قصے خود ایجاد ہو گئے[2] شارلیمن

---

[1] اس گھڑی کا حال کشف الجناعن فتوح الادباء میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ پہلی ایجاد آجکل کی نہایت اعلیٰ ترقسم کی صنعت کے برابر تھی۔ [2] تاریخ ہارون الرشید مصنفہ پامر صاحب مطبوعہ لندن

۸۱۴ء میں انتقال کر گیا۔ اسی کے ساتھ عظمت سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

قسطنطنیہ میں میکل اول و میکل دوم و ٹیوفلس لیر و میکل دوام۔ مامونکے معاصر تھے یہ خاندان اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کیا کرتا تھا بعض تخت نشینوں نے کو کبھی سرتابی کی مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات سے ان کو بتا دیا کہ ان کے حق صلح بہر جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ اس موقع پر مامون کی فتوحات پر ایک نظر ڈالیں۔

غرض دنیا میں اس وقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں۔ سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتی تھیں لیکن بن ہشام جو ۱۸۱ھ میں تخت نشین ہوا اور عبدالرحمٰن اوسط جو ۲۰۷ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا یہ دونوں اموی خلیفہ مامون کے معاصر تھے۔ اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے نہیں تو فتوحات یورپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر مامون کی ہمسری کا دعوی کر سکتے تھے۔ حکم نے فوج کو بہت ترقی دی۔ اور علم کی نہایت قدردانی کے ساتھ سرپرستی کی۔ عبدالرحمٰن اسط نے یورپ پر بہت اورسی وفتوحات حاصل کیں۔ اسپین مین بے شمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی اُمیہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے جس نے سلطنت کے اصول اور قواعد منضبط کیے۔

ارکین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں باز اہل دربار اور عہدا داران ملک اپنے زور لیاقت اور حسن تدبیر سے ایسا اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کے

کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضرور حصہ بن جاتے ہیں اور اس لیے ان کے عام حالات زندگی بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا مورخین کا فرض ہو جاتا ہے اس کے علاوہ ایک بڑا اسبب ہے جس کی درباریوں اور عہدے داروں کا مختصر طور پر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہو گی جس کی بنیاد امیر معاویہ نے ڈالی تھی اس وقت سے آج تک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ شخصی اختیارات کے اصول پر قائم ہوئی جس کا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروائے مملکت کسی عام مملکی قانون کا پابند نہیں ہوتا تھا کہ شریعت کے مسلمہ اصول بھی ہمیشہ اس کی نائبان سلطنت اور اعمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک گویا خودمختار فرمانروا ہوتے تھے اس لیے ہم کو کسی عہد کے امن وانصاف کی نسبت کوئی رائے قائم ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی رائے لیاقت اور طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ مامون کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم عہدوں کے تعین اور ان کے فرائض لکھتے ہیں۔

اس وقت بڑے بڑے ملکی عہدے جن پر سلطنت کی بنیاد قائم تھی یہ تھے۔

وزارت

کتابت

شرطۃ (پولیس)

قضا

عدالت

ولایت

وزارت۔ یہ سب سے بڑا منصب تھا اور یہ حق یہ کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات۔ بادشاہ کے اختیارات سے زیادہ وسیع اور باثر ہوتے تھے۔

وزارت کے مختلف درجے ہوتے تھے اور ہر صیغہ کے وزیر الگ الگ مقرر رہتے تھے مثلاً وزیر الحرب۔ وزیر الخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تھا جو ذوالریاستین یعنی وزیر الحرب والقا کے معز خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اسی رعایت سے اس کا امتیازی پھریرہ جس نیزے پر آویزں ہوتا تھا اس کے دو پھل ہوتے تھے۔

کتابت۔ کاتب کا رتبہ عظمت اور سوخ کے اعتبار سے قریباً وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تھا۔ وہ تمام فرامین۔ احکام توقیعات سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکھتا تھا۔ جن پر وہ دستخط ثبت کرتا تھا اور دونوں کناروں پر سرخ روشنائی سے مہر لگاتا تھا۔ اس کے علاوہ ان تمام عرضیوں پر جو ہر روز ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ مختلف مقاصد کے لیے بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بواس طے گذرتے تھے۔ بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بواس گذارتے تھے۔ بادشاہ کی ہدایت سے نہایت مختصر اوز بلیغ عبارت مناسب احکام لکھتا تھا۔ اس میں اس قدر کمال بہم پہنچایا گیا تھا کہ جعفر برکی کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھی اور فن انشاء کے شائق بڑے شوق سے مول لیتے تھے

۔ قضا۔ قاضی جس کو جج وجسٹس کہا جاسکتا ہے اس کو فصل مقدمات کے علاوہ یتموں اور مجنوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام۔ مفسوں کی خبر گیری

۔ وصیتوں کی تعمیل۔ بیواؤں کی تزویج (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد تھے۔

معدل دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار وعدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اس کے رجسٹر پر ہوتا تھا اس کے علاوہ عام حقوق اور تمام مشتبہ جائدادوں وقرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اسی کے دفتر میں ہوتی تھی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور اس کے لیے نہایت مشہور راستباز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لیے انتخاب کیے جاتے تھے۔

محتسب کو ان باتوں کی خبر گیری رکھنی پڑتی تھی بازاروں یا مجامع عام کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جاوے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہوئے پائیں راستہ پر یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں۔ ان کو ان کے مالکوں سے کہہ کر گروادے۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں ان کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم نہ رکھنے پاوے محتسب کے ساتھ بہت سے سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔

ولایت: والی یا عامل علی اختلاف مراتب کلکٹر کمشنر۔ لفٹنٹ گورنر اور بعض حالتوں میں گورنروں کے برابر ہوتے تھے[1]

---

[1] ان تمام عہدوں کی تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں مورخانہ طور سے لکھی ہے۔ ۱۲

مامون کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگر وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز ہوئے ان کے نام یہ ہیں فضل بن سہل حسن بن سہل یہ دونوں حقیقی بھائی تھے احمد بن ابی خالد احول۔ ثابت بن یحییٰ محمد بن یزدا لیکن وزات اعظم کا اصل جاہ جلال فضل بن سہل کے دم تک قائم راہا اور شاید اس کی برابر تنخواہ بھی یعنی تین لاکھ درہم کسی اور کی نہیں مقرر ہوئی اسی بنا پر بعض مورخوں نے خیال کیا ہے کہ فضل کے بعد یہ عہد توڑ دیا گیا اور حسن وغیرہ جو وزیاء مشہور ہیں دراصل کاتب کا منصب رکھتے تھے۔

فضل نسبتاً و مذہباً مجوسی تھا۔ اور ۱۹۰ھ میں مامون کی مصاجت کے لائق ہے لیکن جب ہارون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت وجلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہارون نے متعیانہ جعفر کی طرف دیکھا فضل نے بڑھ کر عرض کی امیر المومین! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہو۔ ہارون پھڑک اٹھا اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی فضل شہزادگی کے زمانے میں مامون کا ندیم خاص رہا۔ اور چونکہ ابتدا میں اسی کے پرزور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی ڈوبنے سے بچالی تھی۔ مامون پر نہایت محیط ہو گیا اور دربار میں کسی شخص کو اس کی مخالفت کا یارانہ تھا۔ اس خود پرستی کے سوا فضل میں تمام خوبیاں نہایت فیاض مدبر فرزانہ علم دوست تھا۔

بڑے بڑے مشہور شعراء مثلاً صریع الغوانی ابراہیم صولی۔ ابو محمد جو فن انشاء کے بڑے ترقی دینے والے تھے۔ اس کے دربار میں

حاضر رہتے تھے چونکہ فیاضی کے ساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا ۔ ہر روز حاجتمندوں کا ایک بازار لگا رہتا تھا۔ اس نے گھبرا کر ثمامہ بن اشرس سے کہا میں چند لوگوں سے نہایت تنگ آ گیا ہو ثمامہ نے کہا آپ جس پایہ پر ہیں اس سے اتر آئیں تو ایک شخص بھی آپ کو تکلیف دینے نہ آئے گا۔ اس موثر فقرئینے اس کی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کر دیا ۔ ایک شخص نے اس کو ایک رقعہ لکھا جس میں کسی کی چغلی کھائی تھی۔ فضل نے اس کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ غمازی کے قبول کرنے کو غمازی سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ غماز صرف راستہ بتاتا ہے اور قبول کرنے والا خود اُسپر چلتا ہے۔ فضل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم مصطلح معنوں میں صیح ہو یا غلط ۔ مگر فضل کی چند پیش گوائیاں تاریخی شہادتوں سے ایسی صیح ثابت ہو گئی ہیں کہ حسن اس سے عجیب تر مثال کیا مل سکتی ۱۰۲ھ میں مامون کے اشارہ سے قتل کیا گیا۔ اس کے اسباب میں ایک صندوق نکلا جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر یہ عبارت اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا کہ اڑتالیس برس زندہ گا۔ پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جائیگا۔ چونکہ وہ حمام میں مارا گیا تھا۔ اس لیے اس کی یہ پیشین گوئی پورے طور پر تسلیم کی گئی!

حسن بن سہل پہلے فارس۔ اہواز۔ بصرہ کوفہ اور یمن کا گورنر مقرر ہوتھا فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اس کی قدر شناسی اور فیاضیوں کے افسانے عموماً مشہور ہیں بوزان اپنی بیٹی کی شادی جس شان و شوکت سے کی اس کو مامون کے حالات میں دیکھنا چاہیے۔

---

[1] فضل و حسن کے حالات تاریخ بن خلکان میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہیں

نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ شناس تھا۔ اس کے دلآویز فقرے اور پر زور بلند تحریریں ادب کی تصنیفات میں اکثر مثالاً پیش کی گئی ہیں۔

عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا اور داد خواہوں کے حال پر از بس توجہ رکھتا تھا لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف کرانے میں اس کو عجیب دلچسپی تھی ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا۔ حسن نے اس کے شفاعت کا رقعہ لکھ دیا۔ وہ نہایت شکر گذار ہوا اور احسان مندی کے جوش میں دیر تک شکریہ کے الفاظ ادا کیے۔ حسن نے کہا شکر گذاری کی کیا بات ہے شفاعت کرنا ہم لوگ جاہ عزت کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ قیامت میں جس طرح مال کی زکوٰۃ سے کی بھی پرسش ہوگی۔

افسوس ہے حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اٹھایا فضل کے قتل کا اس کو ایسا صدمہ پہنچا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل الحواس ہو گیا۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ پاؤں میں بیڑیاں پنہائی گئیں ۲۳۲ء میں بمقام سرخس وفات پائی۔

احمد بن ابی خالد احول۔ حسن خالد حسن بن سہل کی درخواست پر اس کا قائم مقام مقرر ہوا تھا۔ مامون نے جب اس کو مستقل کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ جو خدمت مجھ سے لی جائے میں حاضر ہوں۔ لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جاؤں مامون نے چونکہ اس کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ یہ درخواست قبول نہ کی اور خلعت وزارت عطا کی۔ احمد نے نہایت عزت کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے عرضی دی کہ وزیر اعظم احمد کھانے کا بہت شائق ہے اور جس کی دعوت کھا لیتا ہے

مقدمات میں خلاف انصاف اس کی طرفداری کرتا ہے مامون نے اس کی شکایت پر اگر کچھ لحاظ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ دو ہزار درہم روزانہ احمد کے دستر خوان کے لیے مقرر کردے[1] احمد کی وزارت ختم ہونے کے ساتھ مامون کی خلافت کا زمانہ بھی قریباً ختم ہوتا ہے باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر کہلائے ان کی چندروزہ اور گم نام وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکھتی اور اس لیے ان کے حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہوگا۔

کُتاب۔ مامون کے دربار میں لوگ اس معتر منصب پر مقرر ہوئے اپنے فن میں بے مثل اور یگانہ روزگار تھے۔ امر بن مسعدت المتوفی ۲۱۵ھ بہت بڑا ناموار فاضل تسلیم کیا گیا ہے بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادکرتا تھا کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پور اقائم رہتا تھا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے کہ ایک بار میں مامون کی خدمت میں حاضر ہو وہ ایک خط پڑھ رہا تھا اور عجیب محویت کے عالم میں بار بار پڑھتا تھا اور جھومتا تھا۔ ہاتھ سے رکھ دیتا تھا اور پھر اٹھا لیتا تھا۔ مجھ کو دیکھا تو کہا۔ امیر المومین ہارون الرشید فرمایا کرتے تھے بلاغت اس کا نام نہایت مختصر لفظوں میں مطب ادا ہو اور مضمون کا اصلی زور اور اثر قائم رہے امیر المومین نے جو فرمایا تھا اس خط نے آنکھوں سے دکھا دیا یہ کہہ کر مامون نے خط کی عبارت پڑھکر سنائی۔ جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک شکایت آمیز عرضی تھی۔ خط کے خاص الفاظ یہ ہیں کتابی الی امیر المومین امن قبلی من الاجنادو القواء فی الطعت

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔۔

والا نقیاد علی احسن مایکون علیه طاعت جند تاخرت عطیاتهم واختلف احولهم یعنی۔ امیر المومین کو خط لکھ رہا ہو اور فوج وافسران فوج اطاعت اور انقیاد کے اس عہدہ تر درجے پر ہیں جہاں تک ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے جس کی تنخواہیں نہ ملی ہو اور تباہ حال ہو رہی ہو۔

مامون کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف فن بلاغت میں اس درجہ کا مسلم الثبوت استاد تھا کہ اس زمانہ میں فضل اکمال کی اس ترقی کے ساتھ بھی کوئی شخص اس کی ہمری دعوئی نہیں کر سکتا تھا طاہر بن الحسین نے مامون کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا اور جو اختصار و حسن ادا بلند خیالی کے لحاظ سے ضرب لمثل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ اسی احمد بن یوسف کا طبع تھا۔ وزیر اعظم احول اکثر مامون کے سامنے اس (اس احمد بن یوسف کاتب) کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ مامون نے اس کو دربار میں طلب کیا۔ احمد آداب وتسلیم کے بعد اس فصاحت ولطف سے گفتگو کی کہ مامون حیران رہ گیا۔ اور کہا کمال تعجب ہے کہ احمد آج تک اپنے آپ کو چھپا کیونکر سکا۔ علامہ ابواسحٰق حصری نے زہر الادب بہت سے اس کے لطیف اور فصیح وبلیغ خطوو اشعار نقل کیے ہم اس موقع پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں شعر!

اذا ما التقینا والعیون نواظر
فالسنا حرب الصادنا سلم

ترجمہ جب ہم سے ملتے ہیں تو زبانیں لڑتی ہیں (یعنی) باہم شکایت کے

---

۱ زہر الادب۔ مصنفہ ابواسحٰق حصری

دفتر کھولتے ہیں اور نگاہیں صلح کر لیتی ہیں قضاۃ۔ ممالک محروسہ میں قضاۃ کا بہت بڑا محکمہ تھا۔ اس کا صدر مقام دارالخلافہ بغداد تھا اور افسر صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اس بلند منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے۔ یحییٰ ابن کثم و احمد بن ابی داوٗد۔ یحییٰ ابن اکثم۔ حکومت کی عظمت و جاہ کے ساتھ پیشوائے مذہبی تسلیم کیے گئے۔ ان کی جلالت و شان کے لیے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی۔ فن حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پوٹیکل لیاقت نے ان کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ دفتر وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی نگاہ سے گزر لیتے تھے۔ رتبہ سند قبول پاتے تھے۔ ان کی تقرری کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ مامون نے ایک خالی شدہ عہدہ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ امیدواروں میں یہ بھی شامل کیے گئے اور چونکہ یہ منظر تھا۔ مامون نے حقارت آمیز نگاہ سے ان کی طرف دیکھا یہ سمجھ گئے اور عرض کی کہ اگر میر صورت سے غرض ہے تو خیر۔ ورنہ اصلی لیاقت کا حال امتحان سے معلوم ہو سکتا ہے مامون نے امتحاناً پوچھا کہ ایک میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثاء باقی رہے ترکہ کیونکہ تقسیم ہوگا۔ یحییٰ نے کہا میت مرد ہے یا عورت مامون۔ اس سوال ہی سے سمجھ گیا کہ قاضی یحییٰ نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی مقرر ہو کر گئے تو ان کے سن کل بیس برس تھا۔ لوگوں نے اُن کی کم سنی سے تعجب کیا اور ایک شخص نے خود ان سے پوچھا کہ حضور کی عمر کس قدر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عتاب کی عمر سے (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا تھا) زیادہ ہے متعہ

کی نسبت انہوں نے مامون سے گفتگو کی تھی اس کو ہم مامون کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ مامون کمال قدردانی سے ان کو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا۔ فقہ میں ان کی تصنیفات نہایت اعلیٰ رتبہ کی ہیں۔ فقہائے عراق کے رد میں ان کی ایک کتاب جس کا نام تنبیہ ہے ایک مشہور کتاب ہے۔[1]

لطیفہ ۔ قاضی یحییٰ کس قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے۔ ایک بار مامون نے امتحاناً چند خوبصورت اور پری پیکر غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اٹھ جاؤں تو تم لوگ۔ قاضی صاحب کو چھیڑو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے تو قاضی صاحب نے ان کی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا۔ ظالمو تم نہ ہوتے تو ہم لوگ پکے مسلمان ہوتے۔ مامون پردے سے گفتگو سن رہا تھا۔ یہ اشعار پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

وکنا نرجی ان نری العدل ظاهرا
فاعقبنا بعد الرجاء قنوط
متی تصلح الدنیا ویصلح اهلها
وقاضی قضاة المسلمین غلوط

لطیفہ ۔ مامون کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون قاضی یحییٰ سے کہا آؤ چپکے چل کر اس کا حال دریافت کریں۔ دونوں معمولی لباس پہن کر اس کے پاس گئے اور پوچھا۔ آپ کا معجزہ کیا ہے۔ اس نے کہا مجھ کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ مامون نے کہا اس وقت بھی کوئی چیز اتری ہے۔ اس نے کہا ہاں یہ الہام ہوا ہے کہ وہ شخص تم سے ملنے آتے ہیں ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا

---

[1] قاضی یحییٰ کا مفصل تذکرہ تاریخ ابن خلکان میں ملیگا۔ ۱۲

شاہد باز۔ مامون بے ساختہ ہنس پڑا۔ اور چلا اٹھا واللہ اشہد انک لرسول اللہ۔ ان باتوں کو ان بزرگوں کی بے تکلفی اور رنگین طبعی کا اقتضاۃ سمجھنا چاہیے۔ ورنہ قاضی صاحب کے زاہد اور اتقادورع میں کس کو الہام ہو سکتا ہے اس بحث کے متعلق ابن خلدون نے جو لکھا ہے نکتہ سنجی کی دادی ہے۔ قاضی یحیٰی نے ۲۴۲ھ میں ۸۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

قاضی القضاۃ احمد بن داؤد۔ نہایت بڑے فقیہ۔ اصولی متکلم شاعر تھے۔ دعبل خزاعی نے مامون کے عہد کا مشہور شاعر ہے کتاب الشعراء میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک دن قاضی یحیے ابن اکثم کے ہاں فقہا۔ علماء کا مجمع تھا۔ یہ بھی اس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوبدار آیا اور کہا امیر المومنین مامون نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو دربار میں رسائی ہوئی۔ مامون نے ان سب سے علمی بحثیں کیں قاضی احمد کی باری آئی تو ان کی برجستہ گوئی اور طباعی سے متعجب ہو کر نام ونسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں۔ قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا کہ جب تک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے کوئی شخص گفتگو کا مجاز نہیں تھا۔ قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اس جابرانہ قاعدے کو توڑا اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ فرائض ادا کرتے تھے شخص حکومت میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں خلیفہ معتصم[1] باللہ کی

---

[1] مامون کا بھائی تھا اور اس کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی۔ خاندان عباسیہ کی قوت اور عظمت جس کے فسانے مشہور ہیں۔ اسی کے عہد تک قائم رہی۔ پھر خلافت برائے نام رہ گئی تھی۔

سطوت وقہر سے تمام دربار کانپتا تھا۔ مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے اور معتصم کو سننا پڑتا تھا۔ معتصم نے جب برمکی کے قتل کا حکم دیا تو دربار میں سناٹا ہو گیا اور اس کی غضبناکہ صورت دیکھ کر سب کے حواس جاتے رہے محمد برمکی چھلے پر بٹھایا گیا۔ اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی۔ قاضی احمد نے بڑھ کر کہا۔ آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اس کے مرنے کے بعد اس کا مال و اسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں معتصم نے نہایت طیش میں آکر کہا مجھ کو اس کے مال لینے سے کون روک سکتا ہے قاضی احمد نے کہا کہ خدا اور اس کا رسول کیونکر شرعاً مال وارث کو مل سکتا اور جب تک آپ اس کے قتل کو جائز نہ ثابت کر دیں وراث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا قاضی احمد نے یہاں تک مجبور کیا کہ معتصم آخر اس ارادے سے باز رہا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ معتصم قاضی احمد کو آتے دیکھ کر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بھر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کرینگے میں ہرگز ان کی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنے زور تقریر حسن بیان سے جو کچھ چاہتے تھے مذہباً معتزلی تھے ۲۳۷ھ میں خلیفہ متوکل باللہ نے اس کو عہدہ قضا سے معزول کیا اور ان کی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں ۲۴۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

گورنر لفٹیننٹ عمالوں کے طبقہ میں سے خاص خاص شہر کے عامل و والی جو کلکٹر کے مساوی الرتبہ کہے جا سکتے۔ تاہم جہاں تک معلوم کر سکتے ہیں اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے

---

[1] عامہ دانشوران ناصری۔ تاریخ خلکان میں قاضی احمد کا نہایت مفصل تذکرہ ہے۔ ۱۲

کہ بالکل نہیں تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے یا مسلمان کو خود ان پر اعتماد نہیں تھا قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تھے وہ زیادہ تر دفتر خراج وخزانہ وسرشتہ وکتابت کے عہدے تھے۔

اس عہد تک مسلمانوں میں اس قدر آزادی کا اثر باقی تھا کہ صوبے یا ضلع کا والی جابرانہ حکومت کرنا چاہتا تو عام رعایا علانیہ ناراضی کا اظہار کرتی تھی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تھا تو متفق ہو کر اس کو نکال دیتی تھی ۱۹۸ھ میں جب عبداللہ (ایک عباسی شہزادہ تھا) مصر کا گورنر ہو کر گیا اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور نہایت ذلت کے ساتھ مصر سے اس کو نکال دیا۔ مامون کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

مامون کے عہد میں جو لوگ لفٹنٹ یا گورنر مقرر ہوئے ان میں طاہر بن الحسین۔ سری بن الحکم۔ عبداللہ بن السری۔ عبداللہ بن طاہر۔ حسن بن سہل نہایت نامور اور مدبر تھے۔ اور خصوصاً طاہر کا خاندان تو اقتدار کے اس درجے تک پہنچ گیا تھا کہ اس نے مامون کے بعد خراسان میں مستقل حکومت کی بنیاد قائم کر لی عبداللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ وہ نہایت بڑا ادیب محدث شاعر موسیقی دان تھا اس قدر

۔اس کی فیاضیوں کے سامنے مامون کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی ۔جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک دن کوٹھے پر چڑھ کر دیکھا کہ لوگ کھانا پکانے کے لیے آگ جلا رہے ہیں حکم دیا کہ سب کے لیے کھانا مقرر کر دیا جائے۔ یہ کل ہزار آدمی تھے اور جب تک عبداللہ زندہ رہا ان لوگوں کو اس سرکار سے وظیفہ ملتا رہا مصر داخل ہونے سے پہلے راہ جس قدر اس نے خیرات کی اس کا اندازہ ایک کروڑ درہم سے زیادہ ہوکیا گیا ہے ابوتمام طائی جس کی کتاب الحماستہ آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کے دربار شاعر تھا تمام خاندان شاہی اس کی (عبداللہ بن طاہر کی) نہایت عزت کرتا تھا ۔۲۱۱ھ میں جب وہ اس سامان سے بغداد میں داخل ہو کر شام موصل وغیرہ میں جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کیے تھے۔ پابزنجیر اس کے جلو میں ساتھ تو تمام بغداد خاندان خلافت اور خود معتصم باللہ اس کے استقبال کو نکلا۔

مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرادیئے۔ ان کو تمام مصارف پر جب مرتو چار کروڑ درہم ہم خاص اس کے خزانے میں موجود تھے۔[1]

---

[1] نجوم زاہرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ میں۔ عبداللہ بن طاہر کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے عبداللہ کی لیاقت علمی۔ نکتہ سنجی۔ موسیقی دانی سے متعلق جو واقعات لکھے ہیں ان میں اس کے فضل وکمال کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مامون کے عہد کے اہل کمال

مؤرخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال اس زمانے کے اہل فضل وکمال کا بھی تذکرہ کرے۔ جس سے ملک کی تہذیب وترقی۔ اور فرماں روائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہو سکے لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں تیار کرنی پڑیں گی۔ مامون کا دربار۔ اکبروشاہجہانی دربار نہیں ہے کہ دانش اندوزان دولت کے لیے آئین اکبری وشاہجہان نامہ کے چند صفحے کافی ہوں۔

مامون کی حکومت بغداد سے لے کر شام۔ افریقہ ایشیائے کوچک ترک تاتار خراسان ایران سندھ تک پھیلی ہوئی ہے اور ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے ہیں جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دارالخلافت بغداد ہے۔

اس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہوگا کہ جب

علامہ نصر بن شمیل نے مامون کی قدردانی کا شہرہ سن کر بصرہ سے خراساں جانیکا قصد کیا تو ان کی مشایعت کے لیے جو لوگ شہر سے نکلے ان کی تعداد قریباً تین ہزار تھی۔ جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث یا نحوی یا لغوی یا عروضی یا اصولی کے معزز لقب سے ممتاز نہ ہوا[1] امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے ان کی کتاب جامع صحیح خود ان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوے ہزار سے کم نہ تھے۔

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناز کر سکتا ہے تو مامون کا عہد حکومت اس فخر میں سب سے مرجح ثابت ہو گا فقہا و محدثین میں سے یحییٰ ابن معین امام بخاری محمد بن سعد کاتب واقدی این علیۃ سفیان بن عبدالرحمٰن بن مہدی یحییٰ القطان۔ یونس بن بکیر۔ ابو مطیع البلخی شاگرد امام ابو حنیفہ۔ اسحٰق بن الفرات قاضی حسن بن ہشام۔ روح بن عبادۃ۔ ابو داود الطیالسی غازی بن قیس شاگرد امام مالک امام واقدی ابو حسان زیادی۔ محمد بن نوح العجلی۔ علی بن ابی مقاتل۔ یہ لوگ ہیں کہ آج مذہبی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں اور خصوصاً امام شافعی و امام احمد حنبل کا تو وہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے

---

[1] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ نصر بن شمیل ۱۲۔

بڑے حصوں میں انہیں کے اجتہادی مسائل گیارہ سو برس سے آج تک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں۔ ان کے تمام فقہا و محدثین کی تصنیفات مامون کے عہد خلافت کی وہ علمی یادگاریں ہیں جن کی نظیر کوئی دوسرا زمانہ بمشکل لاسکتا ہے۔

ابو ہذیل و ثمامہ بن اشرس۔ جو مامون کے مقرب خاص اور ندیم تھے فرقہ ہذلیہ اور ثمامیۃ کے بانی ہیں۔ ابو ہذیل نے مذہب اعتزال میں دس نئے اصول اضافہ کیے جس میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص غور کرنے کے بعد خدا کو نہ جان سکا۔ اگر خدا کا انکار کرے تو معذور ہے اور اس پر عذاب نہ ہوگا۔ عیسائیوں میں فرقہ نسطوریہ کا جو بانی ہے وہ مامون ہی کے خلافت کا نامور حکیم تھا جس کا نام نسطورا تھا۔

اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیان مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اس آزادی کا اثر تھا۔ جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں عام لوگوں کو دے رکھی تھی کیونکہ بجز ایک مسئلہ خلق قرآن کے اس مذہبی آزادی کو نہ روکنا چاہا وہ خود معتزلی یا شیعی تھا لیکن اس کے

---

[1] میں نے یہ روایت عبدالکریم شہرستانی کی ملل ونحل سے نقل کی تھی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ نسطورا اسلام سے پہلے گذرا ہے ابن الاثیر نے عبدالکریم پر تعجب کیا ہے کہ اس نے ایسی بدیہی غلطی کی

دربار میں قدری وجہی اور تمام دوسرے مذہب والے بھی نہایت عزت ووقار کے ساتھ بار بار پاتے تھے اس کی شاہانہ فیاضیاں ہر ایک نسبت سے ساتھ مبذول رہتی تھیں۔

مامون کے دربار میں فلسفہ ونجوم کے ماہروں کا جوگروہ اور کتب حکمت کے مترجموں کا جوگروہ تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں۔

حنین بن اسحاق عیسائی۔ یسوع عیسائی۔ قطا بن لوقا عیسائی یوحنا ماسویہ عیسائی۔ ابن البطریق عیسائی۔ یعقوب کندی عیسائی۔ ماشاءاللہ یہودی بان ہندو۔ جریل کحال۔ حجاج بن یوسف کوفی۔ ابو حسان سلما مہتم بیت الحکمۃ۔ ابو جعفر یحیٰ بن عدی۔ محمد بن موسے منجم۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی محمد بن موسیٰ۔ حسن بن موسیٰ۔ احمد بن موسیٰ علی بن العباس۔ احمد الجوہری۔ یحیٰ بن ابی المنصور حجاج بن المطر۔ جیش الحاسب۔ احمد بن کثیر۔ فرغانی مصنف مدخل الی علم ہیئۃ الافلاک عبداللہ بن سہل بن نوبخت۔

ابو عمر و الیشائی لغت وشعرا کا امام تھا۔ امام حنبل اس کے شاگرد تھے۔ ابو عمر نے قبائل عرب میں سے اسی قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں

کتاب الحیل کتاب اللغات۔ کتاب النوادر الکبیر وغیرہ اس کی تصنیفات سے ہیں۔

اخفش نحو کا مشہور امام ہے عروض میں بحر محیط اسی کی ایجاد ہے معانی القرآن کتاب الاشتقاق۔ کتاب العروض۔ کتاب الاصورت۔ کتاب المعانی الشعراء اور اس کے سوا بہت سی تصنیفیں کیں ۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔

ابوعبیدہ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اس کو بصرہ سے طلب کیا اور جب وہ بغداد میں حاضر ہوا تو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک شخص فقیروں کا لباس پہنے حاضر ہوا فضل نے اس کو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا ان کو پہچانتے ہو ابوعبیدہ انہیں کا نام ہے۔ وہ شخص مدتوں سے ابوعبیدہ سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے عرض کروں۔ ابو عبید نے منظور کیا۔ اس نے کہا کہ قرآن کی اس آیت میں طیلعھا کانه رؤوس الشیاطین خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہیے جس کو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابو

عبیدہ نے کہا خدا عرب کے مذاق کے موافق کلام کرتا ہے امرالقین کہتا ہے عرو مسنونہ رزاق کانیاب اغوال حالانکہ بھوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پرخوف تسلیم کی گئی ہے اس لیے خدا نے خوف کے موقع پر اس سے تشبیہ دی ہے[1] ابوعبیدہ نے اس واقعہ کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیع کی ابوعبیدہ کی تصنفیں قریباً دوسو ہیں جن میں پچاس کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی۔ امام العربیعہ کے لقب سے مشہور ہے کسائی کا شاگرد تھا عام لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں قریباً سو آدمی اس کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے اور کسی کتاب یا یادداشت کے بغیر درس دیتا تھا۔

حلقہ درس میں دور دراز ملکوں کے طلبا حضر رہتے تھے ایک دن اس نے دو طالب علموں سے ان کا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہو کہ ایک اس پچیات اور دوسرا اندلس کا رہنے والا تھا ہے اس بعد المشرفین کے اجتماع پر خود ابن الاعربی کو بھی تعجب ہوا ۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ ابوعبیدہ واصمعی

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جس قدر لکھنا چاہیے تھا اس کا دسواں بھی ہم نے نہیں لکھا۔ مامون کے درباریوں کے ساتھ اب ہم مامون سے بھی رخصت ہوتے ہیں۔

محمد شبلی پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ

تمت بالخیر

* * *

ہماری دیگر مطبوعات

الغزالی
علامہ شبلی نعمانی
مکتوبات امام ربانی
نشر الطیب
جمال الاولیاء
تحفۃ العروس
طب نبوی
شریعت یا جہالت